ماہنامہ

حکمت بالغہ

اپریل 2011

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس:- 0092-47-77628261

ای میل: hikmabaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ:

http://www.hikmatbaalgha.com

http://www.hamditabligh.net

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ

ہم نے ان لوگوں کی اسی طرح آزمائش کی ہے

جس طرح باغ والوں کی آزمائش کی تھی

اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ O وَ لَا يَسْتَثْنُوْنَ O

جب انہوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ صبح ہوتے ہوتے

ہم اس کا میوہ توڑ لیں گے اور نہ بولے کہ جو اللہ چاہے

فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَ هُمْ نَآئِمُوْنَ O

سو تمہارے پروردگار کی طرف سے (راتوں رات) اس پر

ایک آفت پھر گئی اور وہ ابھی سو ہی رہے تھے

فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ O

تو وہ (باغ) ایسا ہو گیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی

فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ O

جب صبح ہوئی تو وہ لوگ ایک دوسرے کو پکارنے لگے

اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ O

کہ اگر تم کو کاٹنا ہے تو اپنی کھیتی پر سویرے ہی جا پہنچو

فَانۡطَلَقُوۡا وَ هُمۡ يَتَخَافَتُوۡنَ O

تو وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے

اَنۡ لَّا يَدۡخُلَنَّهَا الۡيَوۡمَ عَلَيۡكُمۡ مِّسۡكِيۡنٌ O

کہ آج یہاں تمھارے پاس کوئی فقیر نہ آنے پائے

وَ غَدَوۡا عَلٰى حَرۡدٍ قٰدِرِيۡنَ O

اور کوشش کے ساتھ سویرے ہی جا پہنچے

(کھیتی پر) قدرت والے بن کر

فَلَمَّا رَاَوۡهَا قَالُوۡۤا اِنَّا لَضَآلُّوۡنَ O

جب باغ کو دیکھا (ویران) تو کہنے لگے کہ ہم رستہ بھول گئے ہیں

بَلۡ نَحۡنُ مَحۡرُوۡمُوۡنَ O

نہیں بلکہ ہم بے نصیب ہو گئے

قَالَ اَوۡسَطُهُمۡ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ لَوۡلَا تُسَبِّحُوۡنَ O

ایک جو ان میں سمجھدار تھا بولا:

کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم رب کو یاد (تسبیح) کیوں نہیں کرتے؟

قَالُوۡا سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ O

(تب) وہ کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار پاک ہے

بے شک ہم ہی قصوروار تھے

فَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَلَاوَمُوۡنَ O

پھر لگے ایک دوسرے کو رُو در رُو ملامت کرنے

قَالُوۡا يٰوَيۡلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا طٰغِيۡنَ O

کہنے لگے ہائے ہماری شامت! ہم ہی سرکش ہو گئے تھے

عَسٰى رَبُّنَاۤ اَنۡ يُّبۡدِلَنَا خَيۡرًا مِّنۡهَا

امید ہے کہ ہمارا رب اس کے بدلے میں

ہمیں اس سے بہتر باغ عنایت کرے

اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ O

بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف رجوع ہوتے ہیں

کَذٰلِکَ الْعَذَابُ

(دیکھو) عذاب یوں ہوتا ہے

وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَۃِ اَکْبَرُ

اور آخرت کا عذاب اس سے کہیں بڑھ کر ہے

لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ O

کاش یہ لوگ جانتے ہوتے

صدق اللہ العظیم

حرفِ آرزو

انجینئر مختار فاروقی

ہر شخص اپنے اندر خواہشات کا ایک پلندہ سمیٹے رہتا ہے ان میں بعض پوری ہو جاتی ہیں اور زیادہ پوری نہیں ہو پاتیں۔ اس لیے کہ یہ دنیا اور اس کا سارا نظام خالق کائنات نے آزمائش کے لیے بنایا ہے اور یہ انسان کے لیے ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ صحیح نقطہ نظر یہی ہے کہ یہ دنیا اور اس کی زندگی عارضی اور محدود ہے یہاں انسان کو اپنا وقت گزار کر چلے جانا ہے۔ پھر اس دنیا میں تو انسان اخلاقی سطح پر جو کچھ کرتا ہے اس کا نتیجہ بھی نہیں نکلتا ہے اور بعض اوقات الٹا نکلتا ہے۔ دنیا میں انسان دوست، خادم خلق، دوسروں کے کام آنے والے، امانت و دیانت کے پیکر لوگ اکثر مصائب و آلام کا شکار بھی رہے اور خود غرض، لٹیرے، ظالم، حریص، بددیانت، جھوٹے اور مکّار انسان اچھے لوگوں کو اپنے راستے کا پتھر سمجھ کر ستاتے بھی رہے جبکہ یہی برخود غلط لوگ (انسان دشمن اور خدا بیزار لوگ) دنیا میں عیش و آرام کرتے رہے اور گلچھرّے اڑاتے رہے۔

دین اور مذہب میں اس کی توجیہ یہ ہے کہ ایک اور دنیا ہے جہاں انسان کے اعمال کا نتیجہ اس کی اس زندگی کے اعمال کے مطابق نکلے گا اور یہ دوسری زندگی ابدی بھی ہے حقیقی بھی ہے اور دائمی بھی ہے جہاں کوئی کسی پر ظلم نہیں کر سکے گا۔ اچھے لوگ اچھی جگہ پر ہوں گے اور اطمینان و سکون سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مستفید ہوں گے جبکہ غلط کار لوگ وہاں پکڑے جائیں گے اور جہنمّ میں ہوں گے۔ اعاذ نا اللہ من ذالک

اس دنیا میں انسان کی انفرادی زندگی میں کئی طرح کی تنبیہات ہیں باطنی طور پر ضمیر انسانی

ہر ایک کے ساتھ ہے جو انسان کو اچھے اعمال پر شاباش اور غلطیوں اور لغزشوں پر تنبیہ کرتا رہتا ہے۔

اسی طرح یہی انسان جب ایک معاشرہ، قوم، ریاست اور اجتماعیت کی شکل اختیار کرتے ہیں تو انسانوں کے انفرادی مزاجوں سے مل کر ہر اجتماعیت کا ایک اجتماعی مزاج بھی بنتا ہے قومی خواہشات اور اُمنگیں بھی ہوتی ہے اور ان خواہشات اور ان اُمنگوں کی تکمیل کے لئے جنگیں، لوٹ کھسوٹ دوسروں کو زیر کرنا وغیرہ جیسے واقعات ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں۔ اجتماعی سطح پر اللہ تعالیٰ بھی قوموں کو 'حدود' میں رکھنے کے لئے آفات اور ناگہانی مصیبتیں بھیجتا ہے' زلزلے، سیلاب، قحط، بیماریاں وغیرہ جس سے کسی ظالم اور جابر قوم کو...... جبکہ وہ اپنی دنیاوی حیثیت کے اعتبار سے کسی دوسری قوم کے قابو میں نہ آ رہی ہو...... رب کائنات سبق سکھاتے ہیں اور اپنی حدود میں واپس لے آتے ہیں۔ انسان اپنی تاریخ میں ایسی آفات سماویہ اور ناگہانی حادثات سے واقف ہے اور ایسے واقعات ماضی میں عبرت کا ذریعہ بنتے تھے اور عقل انسانی سے یہی توقع بھی کی جا سکتی ہے کہ وہ سامنے وقوع پذیر ہونے والے واقعات سے عبرت حاصل کرے۔

ماضی میں انسانوں کی اپنی مسلّط کردہ بلاؤں اور مصیبتوں میں صرف جنگ، قتل و غارت، لوٹ کھسوٹ یا محکوم قوموں کے افراد کو غلام بنا لینا شامل تھا۔ گزشتہ پانچ چھ صدیوں کی مغربی بے مثال ترقی نے اس سلسلے میں بھی آگے بڑھ کر ایک 'دیو' کی شکل اختیار کر لی ہے۔

جدید تباہ کن اسلحہ میدان جنگ میں تو تباہی کا باعث بنتا ہی رہا ہے مگر اب یہی ایٹم بم، کیمیائی بم، بیالوجیکل بم وغیرہ نے ایک قدم اور آگے بڑھ کر بظاہر 'آفات سماویہ' کی شکل اختیار کر لی ہے۔ یہ مصنوعی 'آفات سماویہ' کی اصطلاح اس لئے سامنے آ رہی ہے کہ طاقتور قومیں بھی بعض اوقات لوگوں کی ناراضگی اور عوامی نفرت سے ڈرتی ہیں۔ ردعمل کا ڈر ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ جدید تباہ کن ہتھیار دشمن پر براہ راست گرانے کی بجائے دشمن کے قریب سمندر میں ڈال دیے جاتے ہیں سمندری بحری فوجی بیڑے، آبدوزیں اور دیگر ساز و سامان اس میں کام آتے ہیں۔ ٹائم بم اور ریموٹ کنٹرول کی ٹیکنالوجی عام ہے لہٰذا سمندر کی تہوں میں وہ بم پھٹے گا زلزلہ کی صورت پیدا ہو جائے گی سمندری طوفان آ جائے گا اور دشمن کی سرزمین میں تباہی پھیلائی جا سکے گی اور بظاہر اس مکروہ اور ابلیسی کام کرنے والے کی بدنامی بھی نہیں ہوگی بلکہ متاثرہ فریق کے ساتھ دوستی بھی

برقرار رہے گی اور اس کی طرف انگلی بھی نہیں اُٹھائے جا سکے گی۔ (اسی سلسلے میں HAARP ٹیکنالوجی پر مضامین کئی معاصر رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔)

چند سال قبل کا سونامی ہو، پاکستان کے شمالی حصے میں 2005ء کا زلزلہ ہو، 2010ء کا سیلاب ہو یا اب 2011ء کا جاپانی علاقے میں سونامی......ایک سوال بہت اہم ہے کہ کیا یہ قدرتی آفت تھی یا مصنوعی۔ اس پر گفتگو اور دلائل تو ان شاء اللہ آئندہ کسی نشست میں سامنے لائیں گے۔ پاکستان اور عالم اسلام چونکہ بالخصوص مغربی طاقتوں کے نرغے میں ہے لہٰذا ان مصنوعی آفات سے بچاؤ کے طریقوں پر غور و فکر ضروری ہے۔ ایک اہم امریکی عہدیدار کا یہ بیان کہ اگر بحیرۂ عرب میں سونامی آ گیا تو پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو بھی خطرہ ہے بڑا معنی خیز ہے۔

ے
الٰہی خیر میرے آشیاں کی
زمیں پر ہیں نگاہیں 'آسماں' کی

فاعتبروا یا اولی الابصار

باب سوم

صہیونیت کی قتلِ انبیاء کرام علیہم السلام کی روش

اور ختمِ نبوت کا انکار

(حصہ II) گزشتہ سے پیوستہ

انجینئر مختار فاروقی

میثاق مدینہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مدبّرانہ سرگرمیاں

☆ مکہ سے ہجرت کے بعد حضرت محمد ﷺ نے مدینہ آتے ہی یکے بعد دیگرے کئی ایسے اہم اُمور سرانجام دیے جو ایک آزمودہ اور مدبّر حکمران ہی کر سکتا ہے۔ بالخصوص میثاق مدینہ کے بعد آپ ﷺ نے (یثرب کے اندر اور آس پاس کے نامور قبائل سے مطمئن ہوتے ہی) اطرافِ مدینہ کے قبائل سے روابط بڑھائے اور کئی جگہ اپنے نمائندے روانہ فرمائے اور بعض جگہ آپ ﷺ بنفس نفیس خود تشریف لے گئے اور گفت و شنید سے انہیں اپنا ہم خیال بنایا۔

☆ مدینہ کے آس پاس کے تمام قبائل بالعموم قریش مکہ کے حلیف ہی تھے اور مکہ سے شام کی شاہراہ پر واقع تمام آبادیوں اور قبائل سے قریش کے دوستانہ مراسم بھی تھے بلکہ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض مالی فوائد بھی حاصل کرتے ہوں تاکہ اہل مکہ کی تجارتی سرگرمیاں ہر طرح کے حالات میں جاری رہ سکیں۔

☆ آپ ﷺ کی سفارتوں اور ذاتی رابطوں کا یہ اثر ہوا کہ وہ تمام قبائل جو پہلے صرف قریش کے طرف دار یا حلیف تھے اب اولاً حضرت محمد ﷺ کے حلیف بن گئے یا ثانیاً غیر جانبداری کی طرف آ گئے۔ اس طرح آپ ﷺ نے کامیاب سفارتکاری سے قریش کی تجارتی شاہراہ پر اُن کا اثر و رسوخ کافی تک زائل کر دیا اور اس کی اطلاعات اہل مکہ کو بھی پہنچ رہی تھیں۔

☆ ابتدائی مہموں میں تھوڑی تھوڑی تعداد میں اہل ایمان کو روانہ کرنے سے آپ ﷺ کے

سامنے ان کی جنگی تربیت کا پہلو بھی تھا۔ ان مہمات میں زیادہ تر مہاجرین صحابہ کرام ؓ کو ہی شامل کیا گیا تھا اور صاف ظاہر ہے یہ علاقہ اور اس کی جغرافیائی اور فوجی نقطہ نظر سے تفاصیل صحابہ کرام ؓ کے علم میں نہیں تھیں۔ مقامی قبائل سے ملاقاتیں، ذاتی رابطے، علاقے سے واقفیت اور جنگی مہمات کے لئے رسد اور قیام کی ضروریات کی معلومات حاصل کرنے جیسے فوائد تھے جو اہل ایمان کو ان اسفار میں حاصل ہوئے۔ تاریخی شہادتیں موجود ہیں کہ بدر سے پہلے جتنی جنگی مہمیں آپ ﷺ نے روانہ فرمائیں ان میں سے زیادہ تر مہمات میں کوئی واضح دشمن سامنے نہیں تھا۔

ان سرگرمیوں سے آپ ﷺ کا حلقہ اثر (ZONE OF INFLUENCE) دور دور تک پھیل گیا۔ جنوب مغرب میں یہ حد وادئ بدر سے بھی آگے تھی۔ اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ قریش کی تجارتی شاہراہ جو مدینے کے مغرب سے ساحل سمندر کے ساتھ گزرتی تھی وہ مسلمانوں کے زیر اثر آ گئی۔

☆ وادئ نخلہ کی مہم نے تو اہل مکہ کو حیران کر دیا کہ مکہ سے مشرق کی طرف صرف ایک منزل کے مقام پر وادئ نخلہ میں مسلمانوں کی نہ صرف موجودگی بلکہ ان کے ہاتھوں ایک قریشی فرد کا قتل......اور وہ بھی رجب کے محترم مہینے میں...... نبی اکرم ﷺ کی استخباراتی سرگرمیوں کی گہرائی کی خبر دیتی ہے۔ رجب کے مہینے میں یہ قتل یکم رجب کی شام کو ہوا جس سے کسی واضح ٹکراؤ (CLASH) کا اشارہ نہیں ملتا......مگر اہل مکہ کی راتوں کی نیندیں حرام کرنے کے لئے وادئ نخلہ کی مہم جوئی نے بڑا بنیادی رول ادا کیا۔

☆ قریش بڑی تیاری سے مکہ سے نکلے اور وادئ نخلہ کے مقتول عمرو حضرمی کے بھائی عامر حضرمی نے اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لینے کے لئے اس مہم کی فوراً روانگی میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اس لشکر کی روانگی کی اطلاع نبی اکرم ﷺ کو بروقت ہوگئی اور آپ نے صحابہ کرام ؓ کی ایک بڑی جماعت (313 نفوس) کو ساتھ لیا۔ اس دفعہ اس میں انصار بھی شامل تھے کہ اہل مکہ...... مدینہ پر حملہ کی غرض سے آئے تھے۔ آپ ﷺ نے مدینہ سے باہر جا کر ایک مقام پر مشاورت فرمائی اور صحابہ کرام ؓ کے سامنے ساری صورت حال رکھ دی۔ اس تدبیر سے آپ ﷺ کی یہ مہم یہودی قبائل کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہی آپ ﷺ بدر کے مقام پر بروقت پہنچ گئے (واضح رہے کہ قریش

نے 240 کلومیٹر کا سفر طے کیا اور آپ ﷺ کو اطلاع ملی تو تیاری کر کے 125 کلومیٹر کا سفر طے کر کے وحی الٰہی کے اشارے کے مطابق صحیح مقام پر لشکر کے سامنے آ کر ٹھہرے۔

☆ اس جنگ میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے شاندار فتح عطا فرمائی اور ستّر (70) کافر مارے گئے جبکہ ستر (70) کے قریب ہی گرفتار ہوئے۔ واپسی سے پہلے آپ ﷺ کی شاندار فتح کی خبر مدینہ پہنچ چکی تھی جو یہودی قبائل کے سرکردہ افراد پر بجلی بن کر گری۔ وہ اپنے طور پر مسلمانوں کے ساتھ اپنی ''حکمت عملی'' طے کر ہی رہے تھے کہ ایک طرف بدر ''یوم الفرقان'' بن گیا اور دوسری طرف نبی اکرم ﷺ کی ایک پیش گوئی پوری ہوگئی کہ یہ خبر آ گئی کہ رومیوں نے ایرانیوں کو شکست دے دی ہے جس سے مسلمانوں کے حوصلے اور بڑھ گئے۔

یہود اور منافقین

☆ بنی اسرائیل کے یہ بگڑے ہوئے لوگ تقریباً ایک ہزار سال سے واضح سازشی کردار ادا کرتے کرتے خدا بیزار، دین دشمن رویوں کو اپنی فطرت ثانیہ بنا چکے تھے۔ مختلف حیلوں، بہانوں اور سازشوں سے دوسروں کو نیچا دکھانا نیز دھونس، دھاندلی، رشوت، شراب، بے حیائی، وعدہ خلافی، بددیانتی جیسے ہتھکنڈوں سے اپنا مطلب نکال لینا ان کے لئے بائیں ہاتھ کا کھیل بن چکا تھا۔ غیر یہودی لوگوں کو ورغلانا، دھوکا دینا، لڑانا وغیرہ ان کا وطیرہ اور سفارتکاری (WHITE-COLLAR CRIME) تھی۔ یثرب میں عرصے سے وہ اوس وخزرج کو لڑا کر کمزور کر چکے تھے اور معاشی طور پر زیر کر چکے تھے اب مزید لڑنے اور اسلحہ خریدنے کی سکت نہ دیکھ کر صلح کی پیش قدمی ہوئی تو نیرنگیٔ قدرت یا یہودی سازش کا شاہکار دیکھئے کہ ایک ایسے شخص پر اتفاق ہوا کہ اسے بادشاہ تسلیم کر لیا جائے جو یہود کا آلہ کار تھا (جیسے دور حاضر کا حسنی مبارک) اس لئے کہ ایک سربراہ مملکت کو خرید کر رام کرنا اور مراعات دے کر اپنے ساتھ ملائے رکھنا کہیں آسان ہے اس سے کہ کئی قبائل کو قابو کیا جائے۔ یہ شخص تھا عبداللہ ابن اُبیّ بن سلول علیہ ما علیہ۔

☆ مگر ـــــ تدبیر کند بندہ، تقدیر کند خندہ کے مصداق یا من در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال کے مطابق نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی مدینہ ہجرت اور اوس وخزرج دونوں قبائل کے مسلمان

ہو جانے سے اس بگڑے ہوئے گروہ یہود کا پورا منصوبہ زمین بوس ہو گیا۔ بظاہر عبداللہ بن اُبیّ بھی کلمہ پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا مگر اس کے سارے خواب چکنا چور ہو چکے تھے اور دوسری طرف وہ مسلمان ہو کر بھی 'منافق' بلکہ 'رئیس المنافقین' بن گیا اس لئے کہ وہ مسلمانوں کے اندر بھی یہود کے ایجنٹ کا کردار ہی ادا کرتا رہا۔

☆ عبداللہ بن اُبیّ چونکہ بااثر اور باحیثیت تو تھا ہی تبھی تو اس کو مدینہ کا حاکم بنائے جانے پر اتفاق ہو گیا تھا۔ لہٰذا اس کے منافق بننے سے اس کے زیر اثر بہت سے لوگ بھی اسی نفاق کی وادی میں داخل ہو گئے اور تا حیات اسی 'نفاق' میں سرگرداں و پریشان رہے۔ قرآن مجید نے ان کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اس گروہ کے محتاط کردار' اور پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی پالیسی کے زیر اثر کچھ مخلص اہل ایمان بھی ضعفِ ایمان کے باعث اس گروہ کے ساتھ شریک ہو گئے۔ منافقین بھی دین حق پر علی الاعلان چلنے اور 'شرطِ اوّل این است کہ مجنوں باشی' کی کیفیت کے تحت پروانہ وار فدائی جذبہ سے آگے بڑھنے کی بجائے' مال اور جان کے ساتھ جہاد سے گریز کرتے تھے اور SAFETY FIRST کے پہلو کو ہمیشہ مدنظر رکھتے تھے جبکہ ضعفِ ایمان کی وجہ سے کسی مسلمان کے اعمال میں بھی یہی کیفیات (SYMPTOMS) ہوتی ہیں۔ لہٰذا یہ منافقین مخلص ضعیف الایمان گروہ کو بطور ڈھال استعمال کرتے رہتے تھے۔ حالانکہ یہ گروہ منافقین، اپنی اس روش میں خود کسی اور (یعنی یہود) کے ہاتھوں کا کھلونا بنے ہوئے رہتے تھے چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ......(41-05)

''غلط باتیں بنانے کے لیے جاسوسی کرتے پھرتے ہیں اور ایسے لوگوں کے بہکانے لیے جاسوس بنے ہیں جو ابھی تمہارے پاس نہیں آئے......''

دوسری جگہ فرمایا:

اِذَآ جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ O اِتَّخَذُوْا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ O ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا

ثُـمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَايَفْقَهُوْنَ O وَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ
اَجْسَامُهُمْ وَ اِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ يَحْسَبُوْنَ
كُـلَّ صَيْـحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ O وَ
اِذَا قِيْـلَ لَهُـمْ تَـعَـالَوْا يَسْتَغْفِرْلَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُ وْسَهُمْ وَ رَاَيْتَهُمْ
يَصُدُّوْنَ وَ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَO (1-5:63)

’’(اے محمد ﷺ) جب منافق لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو (از راہِ نفاق) کہتے ہیں: ہم اقرار کرتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے پیغمبر ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ درحقیقت تم اس کے پیغمبر ہو لیکن اللہ (جو دلوں کی کیفیات بھی جانتا ہے) ظاہر کئے دیتا ہے کہ منافق (دل کا اعتقاد نہ رکھنے کی وجہ سے) جھوٹے ہیں انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اور ان کے ذریعے سے (لوگوں کو) راہِ خدا سے روک رہے ہیں کچھ شک نہیں کہ جو کام یہ کرتے ہیں بُرے ہیں۔ یہ اس لئے کہ یہ (پہلے تو) ایمان لائے پھر کافر ہو گئے تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی سو اب یہ سمجھتے ہی نہیں اور جب تم ان (کے تناسب اعضاء فربہی اور تازگی) کو دیکھتے ہو تو ان کے جسم (کیا ہی) اچھے معلوم ہوتے ہیں اور جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو تم ان کی تقریر کو توجہ سے سنتے ہو (مگر درحقیقت) گویا لکڑیاں ہیں جو دیوار سے لگائی گئی ہیں (بزدل ایسے ہیں کہ) ہر زور کی آواز کو سمجھیں کہ ان پر (بلا آئی) یہ تمہارے دشمن ہیں ان سے بے خوف نہ رہنا اللہ ان کو ہلاک کرے، یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لئے مغفرت مانگیں تو سر ہلا دیتے ہیں اور تم ان کو دیکھو کہ تکبّر کرتے ہوئے آگے بڑھنے سے ہچکچاتے ہیں‘‘

یہ ہے کردار بنی اسرائیل کے اس گروہ کا جو ’خود تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے‘ کے مصداق منافقین کی صورت میں اہل ایمان کے ایک قابل ذکر گروہ کو ورغلا کر اپنے ساتھ ملانے اور مفادات کے حصول کے لئے استعمال کرنے میں کامیاب ہوئے اور بالآخر اپنے ساتھ جہنم کا ایندھن بنا لے گئے۔

یہود و منافقین......اور قریش مکہ

حضرت محمد ﷺ کے مکہ چھوڑ کر مدینہ آ جانے کے ساتھ ہی اہل مکہ کا سفارتی رابطہ یہود اور عبداللہ ابن اُبیّ سے شروع ہو گیا تھا (کہ انہیں بھی عبداللہ بن اُبی کے بادشاہ بننے کے منصوبے کا علم تھا) حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ وہ مسلمان ہو چکا ہے مسلمان تو اوس اور خزرج کے دیگر زعماء بھی ہو گئے تھے مگر قریش کا مہماتی رابطہ صرف اسی عبداللہ بن اُبیّ سے ہوا...... یا پھر براہ راست یہود سے۔ چنانچہ سیرت النبی ﷺ میں علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ قریش نے رئیس الانصار عبداللہ بن اُبی کو اس مضمون کا خط لکھا:

''تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ اس کو قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کریں گے اور تم کو فنا کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔''(ابوداؤد) (جلد اول صف 181)

اسی مضمون کا خط جنگ بدر کے بعد بھی لکھا گیا۔

عبداللہ بن اُبی چونکہ بظاہر مسلمان تھا اور مسجد نبوی میں حاضر ہو کر نمازیں ادا کرتا تھا اور اہل ایمان سے ربط وضبط رکھتا تھا اس لئے اس کے ساتھ قریش کی خط و کتابت یا رابطے مسلمانوں کے علم میں آ گئے وگرنہ قریش اور یہود کے درمیان جو رابطے ہوئے اور خط و کتابت ہوئی اس کا ریکارڈ مسلمان مؤرخین کے ہاں نہ ہونے کے برابر ہے اس لئے کہ قریش سے مسلمانوں کی جنگ تھی اور یہود علیحدہ فریق (THIRD PARTY) تھے اس سلسلے کی جو چند روایات میّسر ہیں وہ مدعا واضح کرنے کے لئے کافی ہیں۔ چنانچہ فتح الباری (264:7) میں ہے کہ موسیٰ بن عقبہ اپنے 'مغازی' میں لکھتا ہے:

کانت بنونضیر قددسّوا الی قریش و حضّوھم علی قتال رسول اللہ ﷺ و دلّوا علی العورۃ

''بنو نضیر چپکے چپکے قریش سے ساز باز کرتے رہے اور ان کو رسول اللہ ﷺ سے جنگ پر آمادہ کرتے رہے نیز اہل مدینہ کے کمزور پہلوؤں کی ان کو اطلاع دیتے رہے۔''

اس روایت میں اگرچہ خصوصیت کے ساتھ بنو نضیر کا ذکر ہے لیکن حقیقت یہ ہے

کہ تمام یہودیوں کا قریش سے رابطہ تھا۔ ابن ہشام اور طبری نے ابن اسحاق کے حوالہ سے عاصم بن قتادہ انصاری کا حسب ذیل بیان نقل کیا ہے:

"ان بنی قینقاع کانوا اوّل یھودٍ نقضوا ما بینھم وبین رسول اللہ ﷺ وحاربوا فیما بین بدرٍ و اُحُد" (طبری)

''بنوقینقاع پہلے یہود تھے، جنہوں نے اس معاہدے کو جوان میں اور آنحضرت ﷺ میں ہوا تھا' توڑ ڈالا، اور بدر و اُحد کے درمیانی زمانے میں مسلمانوں سے جنگ کی۔'' (عہد نبویؐ کے غزوات وسرایا: رؤفہ اقبال)

صہیونیت اور حضرت محمد ﷺ آمنے سامنے

صہیونیت...... نام ہی خدا ناشناسی، خدا بیزاری، سیکولرازم، بے حیائی اور حیوانیت کے درجے تک انسان کے گر جانے کا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے دور سے بڑے معصوم انداز سے جنم لینے والے یہ رویے جو برادرانِ یوسف علیہ السلام نے اختیار کئے تھے' اب دو ہزار سال بعد پختہ ہو کر ایسے متحجّر (FOSSILIZE) ہو چکے تھے یا پتھر کی لکیر بن چکے تھے کہ قتل انبیاء علیہم السلام جیسا گھناؤنا کام کرنے سے بھی وہ دریغ نہیں کرتے تھے۔ دوسری طرف کئی انبیاء کرام علیہم السلام قتل ہوگئے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو ایک برگزیدہ رسول تھے اور انہیں یہود (بنی اسرائیل) میں سے تھے اُن کی مخالفت اور اپنے تئیں تو صلیب پر لٹکانے میں کوئی کسر نہیں رکھی یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بچالیا اس لئے کہ ''نبی'' اور ''رسول'' میں فرق ہے۔ نبی تو قتل بھی ہو گئے مگر قرآن مجید بتاتا ہے کہ ''کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَاْ وَ رُسُلِیْ (58-21)'' (اللہ کا حکم ناطق ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے)۔ گویا رسول کبھی کفار ومخالفین سے مغلوب نہیں ہو سکے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع آسمانی بھی اسی سنت اللہ کے تحت تھا۔

اب پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد ﷺ اور صہیونیت آمنے سامنے تھے آپ ﷺ کو بھی صہیونیت کے تمام حربوں، چالوں اور منصوبوں سے محفوظ رہنا ہی تھا۔ مگر صہیونیت اپنے مقصد وجود اور فطرت خبیثہ سے باز نہیں آسکتی تھی لہٰذا صہیونیت اور حضرت محمد ﷺ تزویراتی

(STRATEGICALLY) اور صبر و مصابرت کے میدان میں آمنے سامنے آگئے اور تاریخ انسانی کا یہ نازک ترین دور ہے جس میں صہیونیت اپنے تمام تر ہتھکنڈوں اور تیاریوں کے ساتھ ایک رحمت للعالمین ہستی ﷺ اور اس کی مختصر سی جماعت کے ساتھ برسر پیکار ہوگئی۔

یہود کا ایمان نہ لانا

یہ ایک حقیقت ہے کہ یہود کی عظیم اکثریت پہچاننے کے باوجود آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائی۔ عام طور پر اس کی ایک ہی وجہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ چونکہ غیر یہودی (NON-JEWS) تھے لہٰذا وہ ایمان نہیں لائے۔ تمام مغربی سیرت نگار یہی تذکرہ کرتے ہیں حتیٰ کہ مشہور مغربی سیرت نگار WATT بھی لکھتا ہے مگر یہ محل نظر ہے۔ قرآن مجید جو صہیونیت کی کارستانیوں کا پردہ چاک کرنے والی واحد موجود کتاب ہے اور جو موجود اس لئے ہے کہ یہ آسمانی کتاب ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے اور منطقی طور پر اس کتاب کی حفاظت و اشاعت کے لئے مسلمانوں میں سے بھی ایک گروہ کی حفاظت اور موجودگی کا ذمہ لیا ہے تا کہ یہ کتاب اقصائے عالم میں منظر عام پر رہے اور صہیونیت کے سینے کا داغ بنے اور دل کی جلن کا سبب بنی رہے۔

قرآن مجید تذکرہ کرتا ہے کہ بنی اسرائیل میں کئی پیغمبر علیہم السلام تشریف لائے مگر اس شیطانی گروہ نے ان کو قتل کر دیا۔ کیوں وہ تو NON-JEWS نہیں تھے پھر یہ قتل کیوں؟ ثابت ہوا کہ اصل وجہ کوئی اور ہے۔ ہمارے سیرت نگار بھی عام طور پر اسی اوپر درج سطحی دلیل کو بیان کر دیتے ہیں اور اس مسئلہ کی تہہ تک پہنچنے کی سعی نہیں فرماتے۔ آخر...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کیوں ستایا؟...... وہ تو بنی اسرائیل میں سے ہی تھے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا رویہ اپنایا...... دیگر سینکڑوں حضرات انبیاء علیہم السلام کو جو بنی اسرائیل میں سے ہی تھے کیوں قتل کر دیا......

فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ O (03-183)

''اگر سچے ہو تو تم نے ان (رسولوں) کو قتل کیوں کیا؟''

وجہ کیا تھی کہ من مانی کرنی ہے اور اسی کو دنیا میں پھیلا کر اقتدار قائم کرنا ہے اور وحی یا انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کوئی سامنے نہ ہو......تا کہ کوئی ٹوک نہ سکے اُن کا یہ رویہ پہلے بھی تھا اور

اب حضرت محمد ﷺ کے دورِ مبارک میں بھی اُنہوں نے یہی رویہ اپنایا۔

یہود......طریقۂ واردات

یہود ہجرت سے پہلے اوس وخزرج کو ایک بڑے پیغمبر کی آمد کا حوالہ دیتے تھے اور ان پر اپنے ایمان لانے کا اظہار کرتے تھے مگر ایمان کیوں نہ لائے اس لئے کہ وہ ایمان لانا ہی نہیں چاہتے تھے وہ سابقہ روش کے مطابق حضرت محمد ﷺ کو ختم کرنے کے درپے تھے اور ہجرت کے بعد سے جنگ خیبر 7ھ تک ان کے اقدامات اور رویّوں سے اسی بات کی تصدیق ہوتی ہے۔

دراصل کسی شخصیت کو ختم کرنے کے لئے دنیا میں دو ہی طریقہ ہائے واردات ہو سکتے ہیں ایک اس سے دوستی کر کے اور اعتماد میں لے کر اور دوسرے دشمنی اور جنگ کر کے مخالف کو ختم کرنا۔ اس شیطانی گروہ کا رویہ حضرت محمد ﷺ کے بارے میں تحویل قبلہ کے وقت تک پہلا رویہ تھا۔ مسلمان پہلے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھ رہے تھے تو انہیں اطمینان تھا کہ اس طرح قرب رہے گا۔ میثاق مدینہ تک بھی حالات اسی رویّہ کی خبر دیتے ہیں تاہم تحویل قبلہ، معرکہ بدر میں مسلمانوں کی روانگی اور فتح سے یہود کا رویہ بدلنے لگا اور آہستہ آہستہ اُنہوں نے علی الاعلان مخالفت اور جنگ کا رویہ اپنا لیا اور اپنے لئے دنیا کی ذلت (شکست)، جلاوطنی اور روسیاہی مول لے لی اور آخرت میں اس شیطانی گروہ کے لیے اس سے بھی زیادہ سخت انجام مقدر ہے۔ اعاذنا اللہ من ذالک۔ قربِ قیامت میں اس گروہ کا دنیاوی عروج بھی ہے اور بالآخر ہلاکت خیز عذاب کے بعد اس شیطانی صہیونی گروہ کے تمام افراد کا خاتمہ ہے۔ آج اکیسویں صدی کے آغاز پر انسانیت کو یہی معرکۂ روح وبدن پیش ہے ایک طرف مدینے کے یہود کے سپوت ہیں اور دوسری طرف شرافت، دیانت، امانت کی حامل انسانیت اور حضرت محمد ﷺ کے مخلص پیروکار ہیں۔ فتح ان شاءاللہ پہلے کی طرح حق اور اسلام ہی کا مقدّر ہے۔

بنی قینقاع کا رویہ......اور انجام

☆ ماہ رمضان 2ھ میں مسلمانوں کی بدر میں کامیابی، سلطنت روم کی ایرانیوں پر فتح، عید، حبشہ سے کچھ مسلمانوں کی مراجعت......کئی خوشیاں اور کامرانیاں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لئے ایسے وقت میں جمع فرما دیں جب مسلمان قلیل تعداد میں تھے اور مشرکین و اہل کتاب کے

نرغے میں تھے۔ تاہم مسلمانوں کی یہ کامیابیاں یہود کو ہضم نہیں ہوسکیں اور وہ اُمت مسلمہ کی اس اُٹھان سے سیخ پا ہوگئے اور آتش حسد میں بری طرح جلنے لگے۔

☆ بنی قینقاع کی آبادی مدینہ سے ہی ملحق ایک محلّہ تھا۔ آسودہ حال دستکار، صنعت کار اور بہادر تھے۔ اپنی حیثیت کا انہیں 'مان' بھی تھا دوسرے یہودی قبیلوں کی طرح معرکہ بدر سے قبل بھی اور بعد بھی ان کے اہل مکہ سے رابطے تھے اور منافقین کے ساتھ ساتھ ایسی ساز باز تھی کہ طے تھا کہ یہود کی سازشوں کا بھانڈا جب بھی پھوٹے گا اور حضرت محمد ﷺ اُن سے باز پرس فرمائیں گے یا جنگ کی نوبت آگئی تو منافقین مسلمان ہوتے ہوئے بھی انہیں کا ساتھ دیں گے اور اگر ان کو نکالا گیا تو وہ بھی یہود کے ساتھ ہی چلے جائیں گے۔

بدر کے بعد تو یہود کا رویہ بدلا بدلا سا تھا اور ساز باز عروج پر تھی ———— دل کے منصوبے زبان پر اور عمل میں بھی آگئے۔ 'چھیڑ' کا آغاز بنی قینقاع نے کر دیا اور ایک پاکباز مسلمان خاتون کی سرعام تذلیل کر دی جس سے ایک مسلمان نے اس یہودی کو قتل کر دیا۔ یہودیوں نے اکٹھے ہو کر اس مسلمان کو بھی شہید کر دیا۔ جناب رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ تشریف لائے۔ میثاق مدینہ کے مطابق دو قبیلوں کا معاملہ تھا یہ قضیہ آپ ﷺ کی طرف REFER ہونا چاہئے تھا تا کہ آپ فیصلہ فرمادیں اور فریقین کو قبول کرنا تھا مگر اندرون خانہ منصوبہ پہلے سے تیار تھا اور اشتعال انگیزی صرف ایک بہانہ تھا۔

☆ بنی قینقاع نے نہ صرف آپ ﷺ کو معاملہ REFER کرنے سے گریز کر کے میثاق مدینہ کو ہوا میں اڑا دیا بلکہ بات سفارت اور پنچائیت سے بڑھ کر بدتمیزی تک پہنچا دی۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے انہیں سمجھایا کہ بدر کا معاملہ تمہارے سامنے ہے پیغمبر (علیہ السلام) وقت سے ٹکر نہ لو اسلام لے آؤ ورنہ تباہی تمہارا مقدر ہوگی مگر اُنہوں نے جواباً سخت لہجہ اختیار کیا اور دھمکی پر اُتر آئے چنانچہ

یا محمد! انك ترى ان قومك لايغرنك انك لقيت قوماً لاعلم لهم بالحرب، فأصبت منهم فرصة اما و الله! لئن حاربناك لتعلمن انا نحن الناس (سیرت ابن ہشام)

''یا محمد (ﷺ)! ہم کو تم اپنی قوم کی طرح خیال کرتے ہو، ایسے دھوکے میں نہ آؤ! تم نے ایسی قوم سے مڈ بھیڑ کی ہے جو لڑائی سے ناواقف تھی' ان پر تم نے فتح پا لی۔ خدا کی قسم! اگر ہم سے لڑو گے تو پتہ چلے گا کہ بہادر ایسے ہوتے ہیں'' (عہد نبویؐ کے غزوات وسرایا.............)

اس جواب میں کس قدر نخوت ورعونت ہے یہ بنی قینقاع کی باطنی کیفیات کی غماز ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے شوال 2ھ (یا ذیقعدہ 2ھ) میں ان کی آبادی کا محاصرہ کر لیا صرف پندرہ دن کے بعد اُنہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ ان کے تمام آزمودہ جنگجو گرفتار ہوئے۔ عبداللہ بن اُبیّ چونکہ اس صورت میں یہود کی مدد نہ کر کے اور جلاوطن ہونے کے لئے آمادہ نہ ہونے کی وجہ سے GUILTY CONSCIENTIOUS تھا لہٰذا اس نے رسول اللہ ﷺ سے باصرار بنی قینقاع کی جان بخشی کا تقاضا کیا جسے رسول اللہ ﷺ نے بوجوہ تسلیم فرما لیا اور ان کو جلاوطن کر دیا گیا وہ اسلحہ اور صنعتی اوزار کے علاوہ سب چیز ساتھ لے جا سکتے تھے ان کی تعداد سات سو تھی وہ شمال کی طرف خیبر اور پھر عیسائیوں اور رومیوں سے روابط اور مزید سازشوں کے لئے ملک شام چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس فیصلے سے عبداللہ بن اُبی پر احسان بھی فرما دیا اور بظاہر اس کے یہودی حلقۂ اثر کا ایک تہائی حصہ کاٹ کر الگ بھی کر دیا گیا جس سے اُسے ایک موقع دیا گیا کہ شاید وہ اصلاح پر آمادہ ہو جائے۔

بنی نضیر......اللہ تعالیٰ کے نمائندے محمد ﷺ سے ٹکر لینے کی راہ پر

☆ عربی مقولہ ہے السعید من وعظ لغیرہٖ یعنی سعادت مند آدمی دوسرے سے عبرت پکڑتا ہے اور ویسی غلطی نہیں کرتا۔ بنی قینقاع کے انجام کو آنکھوں سے دیکھ کر بھی بنو نضیر نے اپنی روش نہیں بدلی۔ یہ شقاوت باطنی کا ناقابل اصلاح درجہ تھا جہاں یہود کا یہ دوسرا قبیلہ بھی آن کھڑا ہوا۔

☆ یہود میں ذرا سا بھی خلوص یا نیک نیتی ہوتی تو از راہ وقت گزاری اور جنگی چال کے ہی صلح صفائی کی بات ہوتی، آئندہ میثاق مدینہ کے لحاظ رکھنے کا معاملہ پیش نظر رکھنے کے وعدے وعید ہوتے پھر کسی موقع پر مختلف حالات میں دوبارہ رویّوں میں شدت آتی تو یہ ایک فطری رویہ ہوتا۔

☆ مگر افسوس کہ بنی نضیر نے پہلے سے طے شدہ اور صیہونیت کے مزاج کے عین مطابق

پیغمبر وقت حضرت محمد ﷺ سے مخالفت اور ٹکراؤ کی پالیسی ہی کو آگے بڑھایا اور نا قابل واپسی مقام (POINT OF NO RETURN) تک پہنچا دیا۔ جس کے بعد وہی انجام سامنے تھا جس سے رسول اللہ ﷺ نے بنی قینقاع کو متنبہ کیا تھا۔

☆ بنی نضیر کی آبادی مدینہ سے ذرا دور جنوب مشرق کی طرف تھی اور آسودہ حال لوگ تھے۔ ان کا سردار کعب بن اشرف اور ان کے دیگر سرکردہ افراد نبی اکرم ﷺ کی توہین کرنے میں کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ بدر سے پہلے بھی ان کے اہل مکہ سے میثاق مدینہ کے علی الرغم خفیہ رابطے تھے اور DIPLOMATIC مراسم تھے جو بدر کے بعد کھل کر سامنے آگئے تھے۔ چنانچہ موسیٰ بن عقبہ اپنے مغازی میں یہی لکھتا ہے جس کا حوالہ اوپر آ بھی چکا ہے۔

☆ اس روایت میں اگرچہ صرف بنی نضیر کا ذکر ہے تاہم یہ معاملہ تینوں یہودی قبائل کا تھا۔ بنی قینقاع نے میثاق مدینہ کو توڑنے میں پہل کی اور نمبر لے گئے۔ بنی نضیر دوسرے نمبر پر رہے۔ جیسے مسلمان اللہ کے راستے میں شہادت کے لئے پہل کرنے کو سعادت اور ذرا دیر کرنے کو درجے کی کمی گردانتے ہیں بعینہ اسی طرح ان تینوں یہودی قبائل کے لوگوں کے جذبات کا اندازہ کریں تو ان کے اپنے پیمانوں میں بنی قینقاع نمبر لے گئے اور وہ صہیونیت کے اوپر کے درجے کے RANKS پر سمجھے گئے جبکہ بنی قریظہ جو بعد میں بغاوت کی ہمت کر سکے وہ ''تھرڈ کلاس'' شمار ہوئے 700 بندے بھی مروا دیے اور دیر بھی کر دی......یا حسرة علی العباد ما یاتیهم من رسول الا کانوا به یستهزءون۔

☆ بنی نضیر کا سردار کعب بن اشرف بڑا زبان دراز شاعر اور عیاش انسان تھا۔ یہ قبیلہ آسودہ حال بھی تھا۔ کعب بن اشرف بدر سے پہلے بھی مکہ آجا تا تھا مگر بدر کے بعد جب بنی قینقاع کا انجام سامنے آیا تو مکہ والوں کو جا کر خفیہ بھی اور اعلانیہ بھی بھڑکایا اور اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ یہ سرگرمیاں میثاق مدینہ کی صریحاً خلاف ورزی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ حتی الامکان خونریزی سے اجتناب کرتے تھے اِلاّ یہ کہ معاملہ آخری حدوں تک پہنچ جائے اور دوسرے فریق کا ہاتھ اپنے گریبان تک ہی آنے کی نوبت آجائے۔ بنونضیر کے معاملے میں آپ ﷺ نے پہلے کعب بن اشرف کے قتل کا عندیہ دیا۔ چنانچہ صحابہ ؓ نے

اسے قتل کر دیا۔ چند دیگر زبان دراز اور موثر یہودی بھی قتل کر دیے گئے مگر یہ شیطانی گروہ کسی صورت چین سے بیٹھنے نہیں دیتا تھا۔ یہی دور ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ ؓ مدینہ میں بیرونی خطرات میں گھرے ہوئے تھے اور ہر وقت چوکس اور چوکنا (VIGILIANT) رہنا پڑتا تھا۔ رات کو صحابہ ؓ اسلحہ ساتھ لے کر سوتے تھے کہ مبادا کسی وقت بھی مدینہ پر یہود کی طرف سے حملہ ہو جائے۔ آپ ﷺ خود بھی بیدار مغزی اور دشمن کی طرف سے ہر وقت باخبر رہنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ یہی وہ دور ہے کہ آپ تھوڑی دیر کے لئے بھی بتائے بغیر چلے جاتے تو صحابہ کرام ؓ پریشان ہو جاتے کہ کہیں آپ ﷺ پر قاتلانہ حملہ نہ ہو گیا ہو۔

☆ یہود کے در پردہ تعاون کی یقین دہانی اور غیرت دلانے پر مکہ والے شوال 3ھ مدینے کا ارادہ کر کے 3000 کا لشکر لے کر آئے۔ ابوسفیان (بعد میں ایمان لے آئے رضی اللہ عنہ) اس وقت اس لشکر کی قیادت کر رہا تھا۔

میثاق مدینہ کی صریحاً خلاف ورزی پر مبنی یہود، منافقین اور قریش مکہ کی اس تکون کی یہ سازش ہر طرح مکمل تھی، پلان گہرا تھا اور دشمنان اسلام کو کامیابی کا سو فیصد یقین تھا۔

سن 3ھ کا وسط ہی وہ موقع ہے کہ مدینے میں منافقین اور یہود کی سازشوں کے جال کا تانا بانا بنا جا رہا تھا۔ منافقین اندر سے مسلمانوں کو حضرت محمد ﷺ کا ساتھ چھوڑنے کی طرف مائل کر رہے تھے اور دلیل کے طور پر اوس وخزرج اور یہود کے دیرینہ مراسم اور صدیوں کی باہمی روایات اور مشترک ماضی کا حوالہ دیتے تھے جبکہ حضرت محمد ﷺ مکّہ کے تھے اور مہاجرین ان کے ساتھ آئے تھے اور ان کے نزدیک مدینہ کی بستی کے حالات میں 'بدامنی' اور 'بداعتمادی' پیدا کر دی تھی۔ قرآن مجید میں ان کیفیات اور سرگرمیوں کا سورۂ آل عمران کے وسط میں (رکوع 10-12) یوں ذکر آیا ہے (یاد رہے کہ یہ حصہ جنگ سے ماقبل نازل ہوا تھا اور اس میں یہود کے ہی برے کردار کا نقشہ کھینچا گیا ہے) اہل ایمان سے خطاب کر کے فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَO (03-100)

''مؤمنو! اگر تم اہل کتاب کے کسی فریق کا کہا مان لو گے تو وہ تمہیں ایمان لانے کے

بعد کافر بنا دیں گے......‘‘

☆ آپ ﷺ کو ان سازشوں اور لشکر کی تیاریوں کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس کے لئے منصوبہ بندی فرمائی یہی وہ دور ہے جس میں آپ کو بڑی باریک بینی کے ساتھ معاملات کو سامنے رکھنے اور مشاورت کی ضرورت پیش آئی۔ایک طرف یہود سے معاہدہ تو تھا اگرچہ وہ اس کی خلاف ورزی کر رہے تھے۔ دوسری طرف منافقین کا معاملہ تھا۔ تیسری طرف کفار مکہ کے لشکر کا معاملہ تھا۔ یہ صورت حال مدینہ پر حملہ کے امکان کی وجہ سے بے حد خطرناک تھی۔ اگر یہ سارے امکانات ہوتے مگر معاملہ مدینے سے باہر کسی جنگ کا ہوتا تو صورت حال بڑی مختلف ہوتی۔ منافقین کی وجہ سے راز داری (SECRECY) برقرار رکھنے کا معاملہ بھی بہت زیادہ اہم تھا۔

بنی اسرائیل پیغمبر اسلام کی مخالفت اور دشمنی کے باوجود اپنے آپ کو CHOSEN PEOPLE OF THE LORD یعنی خدا کے برگزیدہ لوگ یا خیر اُمت ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعوے کو باطل قرار دیتے ہوئے اُمت محمدیہ ﷺ کو اس ’خیر اُمت‘ کے منصب کا حق دار قرار دیا ہے۔فرمایا:

کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ لَوۡ اٰمَنَ اَہۡلُ الۡکِتٰبِ لَکَانَ خَیۡرًا لَّہُمۡ مِنۡہُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَ اَکۡثَرُہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ O (03-110)

’’جتنی امتیں لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہت اچھا ہوتا۔ان میں ایمان لانے والے بھی ہیں (لیکن تھوڑے) اور اکثر نافرمان ہیں‘‘

معرکہ بدر اور معرکہ احد کے درمیانی اس وقفہ کے دوران اس ابلیسی گروہ......جو اکثرھم فاسقون کا دوسرا نام ہے......کی معنوی حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں وارد ہے۔اس سے پہلے اہل ایمان کو تسلی دی ہے

لَنۡ یَّضُرُّوۡکُمۡ اِلَّاۤ اَذًی وَ اِنۡ یُّقَاتِلُوۡکُمۡ یُوَلُّوۡکُمُ الۡاَدۡبَارَ ثُمَّ لَا یُنۡصَرُوۡنَ O

(111-03)

''تمہیں خفیف سی تکلیف کے سوا کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور اگر تم سے لڑیں تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کو مدد بھی (کہیں سے) نہیں ملے گی''

اوران کے برے کردار کا مآل یہ ہے

ضُرِبَتُ عَلَيُهِمُ الذِلَّةُ اَيُنَ مَا ثُقِفُوُا اِلَّا بِحَبُلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبُلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَاءُ وُا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ ضُرِبَتُ عَلَيُهِمُ الُمَسُكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ كَانُوُا يَكُفُرُوُنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقُتُلُوُنَ الُاَنُبِيَاءَ بِغَيُرِالُحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوُا وَّ كَانُوُا يَعُتَدُوُنَO (112:03)

''یہ جہاں نظر آئیں ذلت (کو دیکھو گے کہ) ان سے چمٹ رہی ہے۔ بجز اس کے کہ اللہ اور (مسلمان) لوگوں کی پناہ میں آ جائیں اور یہ لوگ اللہ کے غضب میں گرفتار ہیں اور ناداری ان سے لپٹ رہی ہے۔ یہ اس لیے کہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور (اس کے) پیغمبروں کا ناحق قتل کر دیتے تھے؛ یہ اس لیے کہ یہ نافرمانی کیے جاتے اور حد سے بڑھے جاتے تھے۔''

بنی اسرائیل کا یہ بگڑا ہوا گروہ جو اللہ کے برگزیدہ پیغمبر ﷺ کے ساتھ ٹکر لے کر ابلیسی کردار ادا کر رہا تھا اور اس میں وسائل لگا رہا تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا یہ 'انفاق' کسی کام نہیں آئے گا اور آخر میں ظالموں میں شمار ہوں گے اور جہنم کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔

کعب ابن اشرف اور ان کے دوسرے سرکردہ افراد جو رسول اللہ ﷺ کو ایذائیں دے رہے تھے ان کے بارے ارشاد ہے کہ اُن کی زبانوں پر جو کچھ ہے وہ اپنی شدت اور گندی زبان کے اعتبار سے 'اس' سے بہت کم ہے جو 'ان خبیثوں' کے دل میں چھپا ہوا ہے

قَدُبَدَتِ الُبَغُضَاءُ مِنُ اَفُوَاهِهِمُ وَ مَا تُخُفِىُ صُدُوُرُهُمُ اَكُبَرُ (118:03)

''ان کی زبانوں سے تو دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو (کینے) ان کے سینوں میں مخفی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں''

مزید فرمایا کہ مسلمانوں کو اس صیہونی گروہ سے اب (اور تا قیام قیامت کسی خیر کی توقع نہیں کرنی

چاہئے جو بنی اسرائیل پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی موجودگی میں تمہارے خلاف زہر اگل رہے ہیں وہ آئندہ کیا اس میں کمی کر دیں گے) کسی اچھے رویہ کی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ O (118:03)

''ہم نے تو تمہیں (اے اہل ایمان) ساری نشانیاں (خفیہ سرگرمیوں کے احوال) بتادی ہیں تا کہ تم (ان پر آئندہ کبھی بھروسہ نہ کرو اور) عقل سے کام لو۔''

اس ابلیسی گروہ کے بارے میں اُن نفسیات اور PSCHYCY کا بھی ان الفاظ میں تذکرہ قرآن میں آتا ہے:

هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَ لَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ وَ اِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ O اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَ اِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ O (120-119:03)

''دیکھو تم ایسے (صاف دل) لوگ ہو کہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہو حالانکہ وہ تم سے دوستی نہیں رکھتے اور تم سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو (اور وہ تمہاری کتاب کو نہیں مانتے) اور جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر غصے کے سبب انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔ (ان سے) کہہ دو کہ (بدبختو) غصے میں مر جاؤ۔ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہے۔ اگر تمہیں آسودگی حاصل ہو تو ان کو بُری لگتی ہے اور اگر رنج پہنچے تو خوش ہوتے ہیں۔ اور اگر تم تکلیفوں کی برداشت اور (ان سے) کنارہ کشی کرتے رہو گے تو ان کا فریب تمہیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ یہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔''

☆ غالبًا یہی دور ہے جس کے بارے میں ترمذی شریف میں وہ روایت منقول ہے کہ

رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی کے علاوہ علیحدگی میں بھی طویل مشاورت فرماتے تھے تاکہ منافقین کو اس کی خبر نہ ہو سکے۔ روایت کے الفاظ ہیں

كان رسول الله ﷺ يسمر مع ابى بكر رضی اللہ عنہ فى امر من امور المسلمين

(ترمذی عن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ)

''نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رات گئے تک مسلمانوں کے معاملات میں گفتگو فرمایا کرتے تھے۔''

اور یہی دور ہے کہ جب مسلمانوں کو منافقین (اور یہود کی) ریشہ دوانیوں کے ماحول میں رسول اللہ ﷺ کو اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے لئے آپ پر صلوٰۃ وسلام کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ محمد ہاشم ٹھٹھوی اپنی کتاب ''عہد نبوت کے ماہ وسال'' میں 2ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں:

اسی سال آنحضرت ﷺ پر درود پڑھنے کا حکم آیا اور یہ آیت مقدسہ نازل ہوئی

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًاO (الاحزاب:56)

''اللہ تعالیٰ اور فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر، اے ایمان والو! رحمت بھیجو اس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر''

☆ آپ ﷺ کو کفار کی جنگی تیاریوں کی اطلاعات تو مل رہی تھیں مگر ان کے لشکر کی صحیح تعداد وغیرہ کا علم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ایک خط سے ہوا مگر یہ خط ایسے وقت میں ملا کہ مہلت کم تھی اور کھلی جنگ کے علاوہ کوئی چارہ مسلمانوں کے پاس بظاہر نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے مشاورت کے لئے جانثاروں کو جمع فرمایا اور ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے طریقۂ کار کا مشورہ طلب کیا عبداللہ بن اُبیّ بھی اس نشست میں موجود تھا اس نے یہ رائے دی کہ مدینہ میں محصور ہو کر جنگ کی جائے بعض اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھی یہی رائے تھی۔ نوجوان جانثار جو بدر میں حصہ نہیں لے سکے تھے اُن کی رائے تھی کہ باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔

ہر رائے دینے والے کے پیچھے اس کی ذاتی سوچ اور نفسیات کا لازمی دخل ہوتا ہے جس کو کسی صورت الگ نہیں کہا جا سکتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آرا میں تو یقیناً خلوص تھا مگر عبداللہ بن اُبیّ کی

رائے میں خلوص اور مسلمانوں اور آپ ﷺ کے لئے خیر خواہی اور وفاداری کا کوئی پہلو نکالنا بہت مشکل ہے۔ آپ ﷺ کی ذاتی فراست بھی اسی طرف جاتی تھی مگر اس کے لئے جو ضروری تیاری کی ضرورت تھی اس کے لئے وقت میسر نہیں تھا۔ (جیسا کہ آگے جنگ خندق کے موقع پر آپ نے خندق کھود کر مدینہ کو محفوظ کر لیا تھا) اس لئے آپ ﷺ نے مشاورت کی اس نشست کے دوران کوئی فیصلہ نہیں فرمایا اور اس میں جو حکمت نظر آتی ہے کہ آپ نے اپنے اس جنگی منصوبے کو فاش نہیں کیا بلکہ روانگی تک راز میں رکھا تا کہ دشمن تک (منافقین کے ذریعے) اطلاع نہ ہو سکے۔

شوال 3ھ کے حالات میں عبداللہ بن اُبیّ کی رائے کا تجزیہ

ان حالات میں رئیس المنافقین کی رائے کلمة حقٍ اُريد به الباطل کی قبیل کی شئے تھی کہ

01۔ مدینے میں محصور ہو کر مقابلہ کرنے میں منافقین کو نکلنا نہیں پڑے گا اور چونکہ کسی لشکر کی صف بندی گنتی وغیرہ کی نوبت نہیں آئے گی لہٰذا ان کی عدم دلچسپی اور عدم شرکت کا بھرم بھی رہ جائے گا اور یہود سے دوستی اور قریش سے رابطے رکھنے کا کام بھی آسان رہے گا۔

02۔ باہر سے قریش حملہ کریں گے اور اندر سے ہم ساتھ دیں گے ادھر یہود کی سرگرمیاں ہوں گی لہٰذا مسلمانوں کو ہر طرح نقصان پہنچانا ممکن ہو جائے گا۔ جو منصوبہ کہ پہلے اس شیطانی تکون (یہود......منافقین......قریش) کے رابطوں میں طے ہو چکا تھا عبداللہ بن اُبی اس وقت اس خفیہ منصوبے پر عمل درآمد کے لیے اپنے حصے کا کام سرانجام دے رہا تھا۔

03۔ منافقین کی شرارت کا بھانڈا اس وقت پھوٹ گیا جب رسول اللہ ﷺ 1000 کا لشکر لے کر نکلے تو اس میں سے 300 منافقین واپس آ گئے اور اُحد کے دن اپنے منصوبے کی ناکامی پر کف افسوس ملتے رہے۔ اس موقع پر قرآن مجید کا تبصرہ بہت معنی خیز ہے کہ منافقین نے کہا:

لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ

''اگر ہم کو لڑائی کی خبر ہوتی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ رہتے''

ان منافقین کے خیال میں 3000 کا لشکر کیل کانٹے سے لیس تھا اور مسلمان صرف 700 تھے، یہ کافر شدید غصے میں تھے اور انتقامی جذبات میں بھی ڈوبے ہوئے تھے اور اپنا بہت سارا سرمایہ خرچ

کر کے آئے تھے جبکہ مسلمانوں کے پاس وسائل کم تھے لہٰذا ـــــــــــــ یک طرفہ قتل عام ہوگا اور مسلمان ختم ہو جائیں گے۔قریش کے لشکر میں اس دفعہ 3000 نفوس، 700 گھوڑوں پر مشتمل حملہ آور دستہ، اسلحہ، وافر راشن اور غیرت وحوصلہ دلانے کے لیے عورتیں خاص طور پر شامل جنگ تھیں۔غلاموں کو بھی شرکت کے لیے ساتھ لایا گیا تھا۔گویا عام اسباب میں فتح یقینی تھی اور ان کو محسوس ہو رہا تھا کہ مسلمانوں کو کاٹ کر رکھ دیں گے اور یہ معرکہ فیصلہ کن ہوگا۔

04۔ منافقین کا خیال تھا کہ آپ ﷺ کو محصور جنگ کے لیے راضی کرلیں گے تاہم آپ کے بروقت کھلی جنگ کے فیصلے سے دشمن کے حقیقی منصوبے خاک میں مل گئے۔اگرچہ اس جنگ میں کافروں کا غصہ اور جوش انتقام ظاہر و باہر تھا اور آپ ﷺ کا زخمی ہونا، گر جانا اور آپ کے قتل کی خبر اُڑ جانا جنگ کی شدت اور ہولناکی کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے پھر 70 مسلمانوں کی شہادت جہاں مسلمانوں کے شوق شہادت اور جذبۂ جہاد کا پتہ دیتی ہے وہاں حالات کی سنگینی اور جان و مال کے لیے منڈلاتے ہوئے خطرات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔ (جاری ہے)

ہمارا قومی المیہ

جنرل (ر) مرزا اسلم بیگ
سابق چیف آف آرمی سٹاف، پاکستان

پاکستانی قوم کا سب سے بڑا المیہ قول وفعل کا تضاد ہے۔ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں لیکن اکثر مسلمان نہیں کیونکہ ستر فیصد سے زیادہ پاکستانی نہ قرآن پڑھ سکتے ہیں اور نہ نماز جانتے ہیں اور انہیں میں سے اکثر لوگ جب حکمران بنتے ہیں اور اہم عہدوں پر فائض ہوتے ہیں تو ان کے عمل و کردار کا رُخ اسلامی جمہوری پاکستان کی سوچ سے مختلف ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ملک میں سیکولرزم کا پرچار ہورہا ہے، قومی قدریں پامال ہورہی ہیں اور ہر طرح کی برائیاں بڑھتی جارہی ہیں۔ہم یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ پاکستان اسلام کا قلعہ ہے جبکہ قلعے کے نیچے سے زمین کھسکتی جارہی ہے اور قلعے کی دیواروں میں دراڑیں پڑ چکی ہیں۔یہ بڑی خطرناک صورت حال ہے۔اس خطرناک صورت حال پر کس طرح قابو پایا جاسکتا ہے؟ پاکستانی قوم کو دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کی طرف کس طرح مائل کیا جاسکتا ہے؟ اور کیسے اور کس طرح سے اس قلعے کو مستحکم اور مضبوط بنایا جاسکتا ہے تاکہ اس کی بنیادیں قوم کے نظریۂ حیات کی مضبوط چٹانوں پر قائم ہوسکیں ورنہ ہمیں بھی بنگلہ دیش کی طرح سیکولر نظام اپنانا ہوگا تاکہ اکثریت کی خواہش کے مطابق نظام قائم ہوسکے۔

پاکستان کا آئین قوم کے 'نظریۂ حیات' کا تعین کرتا ہے۔جس کی تشریح یوں ہے: ''ایک جمہوری نظام کا قیام جس کی بنیادیں قرآن وسنہ کے اُصولوں پر قائم ہیں۔'' یہ 'نظریۂ حیات' پاکستانی قوم کی فکری سیاسی، معاشرتی، نظریاتی اور عملی زندگی کا تعین کرتا ہے۔اس کے دو اہم اجزاء ہیں: ایک ہے 'طرزِ حکومت' جو موجودہ دور کے جمہوری طرزِ حکومت سے عبارت ہے اور دوسرا 'اسلامی نظریۂ' ہے

جواس جمہوری نظام کے عدل وانصاف، اخلاقیات اور قومی معاملات کے تقاضے پورا کرتا ہے۔

قیام پاکستان سے پہلے قائداعظم نے 22 اکتوبر 1939ء کو لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل سے خطاب کرتے ہوئے سب سے پہلے اپنے ایمان وعقیدہ اور نظریات کا واضح اعلان کیا: ''مسلمانو؛ میں نے بہت کچھ دیکھا ہے' دولت، شہرت اور آرام و راحت کے بہت لطف اُٹھائے' اب میری زندگی کی واحد تمنا یہ ہے کہ مسلمانوں کو آزاد اور سربلند دیکھوں۔ میں چاہتا ہوں کہ جب مروں تو یہ یقین اور اطمینان لے کر مروں کے میرا ضمیر اور میرا خدا گواہی دے رہا ہو کہ جناح نے اسلام سے خیانت اور غداری نہیں کی اور مسلمانوں کی آزادی، تنظیم اور مدافعت میں اپنا حق ادا کر دیا۔ میں آپ سے اس کی داد اور صلہ کا طلب گار نہیں ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ مرتے دم میرا اپنا دل، میرا ایمان اور میرا اپنا ضمیر گواہی دے کہ جناح تم نے واقعی مدافعت اسلام کا حق ادا کر دیا اور میرا خدا یہ کہے کہ جناح بے شک تم مسلمان پیدا ہوئے' مسلمان جیے اور کفر کی طاقتوں کے غلبہ میں اسلام کے علم کو بلند رکھتے ہوئے مرے۔'' قائداعظم نے اس وضاحت کے بعد پاکستانی قوم کے ''نظریہ حیات'' کے تعین کے لیے مختلف اوقات میں بڑی واضح ہدایات دیں:

☆ اگست 1947ء پاکستان کی پہلی قانون ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا: ''آپ کا تعلق خواہ کسی بھی مذہب، قوم یا فرقے سے ہو لیکن یہ بنیادی اُصول ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ ہم ایک ملک کے یکساں حیثیت کے حامل شہری ہیں۔ اگر ہم اس نصب العین پر کاربند رہیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ مذہبی حوالے سے نہیں بلکہ ہر شخص کے ذاتی ایمان ویقین اور سیاسی حوالے سے ہمارے ملک میں ہندو اور مسلم کی تفریق ختم ہو جائے گی۔

☆ 14 فروری 1948ء سبی میں دربار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''ہماری نجات کا واحد ذریعہ ان زریں اُصولوں پر مشتمل ضابطہ حیات پر عمل کرنا ہے جو قوانین ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے قائم کر دیے ہیں۔''

☆ 21 فروری 1948ء ملیر کینٹ میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اب آپ کو اپنی سرزمین میں اسلامی جمہوریت، معاشرتی انصاف اور اسلامی مساوات کے اُصولوں کے احیاء اور فروغ کی پاسبانی کرنا ہے............اُخوت، مساوات اور اتحاد ہمارے دین، تمدن اور

ثقافت کے بنیادی عنصر ہیں۔''

☆ 26 مارچ 1948ء چٹا گانگ میں فرمایا: ''اتنا یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہمارا (مقصد حیات) اسلام کے بنیادی اُصولوں پر مشتمل جمہوری نوعیت کا ہوگا۔ ان اُصولوں کا اطلاق ہماری زندگی پر اسی طرح ہوگا جس طرح تیرہ سو سال قبل ہوا تھا۔''

اتنی وضاحت کے باوجود قوم نے ایک چوتھائی صدی کی مدت کے بعد' 1973ء کے آئین میں اپنے مقصد حیات کی نشاندہی کی اور جمہوری نظام قائم ہوا' جس تجربے سے پاکستانی قوم بڑے نشیب و فراز سے گزری ہے اور آج تک ایسا نظام حکومت قائم نہیں ہو سکا ہے جسے ہم صحیح معنوں میں جمہوری کہہ سکیں۔ بار بار کی فوجی مداخلت اور مختصر مدت کی جمہوری حکومتوں کی ریشہ دوانیوں نے جمہوری طرزِ حکومت سے بدگمانی پیدا کر دی ہے۔ موجودہ جمہوری دور خوش قسمت ہے کہ وہ عناصر جو ماضی میں جمہوریت کو پامال کرتے رہے ہیں اب وہ پیچھے ہٹ گئے ہیں۔ مثلاً امریکہ اپنی مرضی کی حکومت بنانے سے قاصر ہے اس لئے کہ عسکری قیادت ان کا کھیل کھیلنے کو تیار نہیں ہے۔ حزب اختلاف جو ہمیشہ ایسی تبدیلی کی منتظر رہی ہے وہ میثاق جمہوریت پر عمل پیرا ہے۔ ہماری اعلیٰ عدالتیں اپنا جائز مقام حاصل کر چکی ہیں اور 'نظریۂ ضرورت' کے تصور کو رد کر چکی ہیں۔ اس سے بہتر موقع آج تک کسی بھی حکومت کو نہیں ملا کہ وہ قوم کو ایک اچھا، صاف ستھرا اور انصاف پر مبنی نظام حکومت دے سکے لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ کرپشن، نااہلی اور دہشت گردی' اس نظام کی جڑوں کو کھوکھلا کرتی جا رہی ہیں۔ یہ خرابیاں اگر دور نہ کی گئیں تو قوم کا جمہوریت سے اعتماد اُٹھ جائے گا اور کسی دوسرے طرزِ حکومت کے لئے ان کا مطالبہ برحق ہوگا۔

اسلامی نظریہ: ہمارے قومی نظریۂ حیات کا اہم عنصر ہے لیکن افسوس کی بات ہے کہ ہم نے اس کی بھی پاسداری نہیں کی۔ پاسداری علم و عمل سے ہوتی ہے جبکہ پاکستانی قوم کی بیالیس فیصد آبادی اَن پڑھ ہے اور باقی ماندہ اٹھاون فیصد میں سے پچیس فیصد آبادی دینی تعلیم سے یکسر نابلد ہے یعنی ستر فیصد آبادی کو دینی تعلیم حاصل نہیں اور صرف تیس فیصد آبادی کو دینی اور دنیاوی تعلیم حاصل ہے' جو صحیح معنوں میں پاکستانی کہلانے کے مستحق ہیں۔ یہ اندازہ 1990ء کے بری فوج کے سروے کے مطابق ہے کہ فوج میں شامل ہونے والے منتخب آفیسرز اور سپاہیوں کی دینی

تعلیم کے تناسب کا معیار یہی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب اکثریت یعنی ہماری ستر فیصد آبادی کا دین سے کوئی تعلق نہ ہوتو وہ سیکولر نظام کا مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔ اس مقام پر ہم کیوں پہنچے ہیں' اور اس زبوں حالی کا کون ذمہ دار ہے؟ کیا ہم خود ذمہ دار ہیں' کہ ہم اپنے بچوں کو دین کی تعلیم نہیں دیتے' اس لئے کہ دینی تعلیم کا فیشن نہیں رہا اور ہمارے اسکولوں میں بھی اس تعلیم کو ضروری نہیں سمجھا جاتا' اس لئے کہ خود ان کا اپنا دین سے تعلق بڑا واجبی ہے۔ دینی مدرسوں اور دارالعلوم سے صرف دینی تعلیم پانیوالے تقریباً پانچ فیصد پاکستانی، قومی، سیاسی اور معاشرتی دھارے سے الگ ہوتے جارہے ہیں جس کے سبب ان میں احساس محرومی ہے اور فروعی نوعیت کے معاملات کو احتجاجی شکل دے کر اپنی اہمیت کو بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بڑی بے بسی کا عالم ہے کہ پاکستانی قوم کی اکثریت کو اپنے نظریۂ حیات کا نہ علم ہے نہ شعور ہے اور نہ اس کے تحفظ اور تقدس کے لئے یک جان ہو کر اس کی حصار بندی کو وہ اپنا شعار بنا سکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان آج معاشرتی' سیاسی اور نظریاتی انتشار کا شکار ہے۔

بیدار اور خوددار قومیں' اپنے نظریۂ حیات کو پہچانتی ہیں اور اپنی قدروں کی پاسداری کرنا جانتی ہیں' اس کی زندہ مثال افغان قوم ہے جس نے پچھلے تیس سالوں میں اپنے نظریۂ حیات کے تقدس کیلئے اتنی عظیم قربانیاں دی ہیں۔ 2001ء میں جب امریکیوں نے افغانستان پر قبضہ کرلیا تھا تو ہم نے ملاعمر کو پیغام بھیجا کہ: ''اگر آپ نے دوبارہ جنگ شروع کی تو بڑی بربادی ہوگی اس لئے بہتر ہے کہ امریکہ کے 'تعمیر نو' اور 'جمہوری حکومت کے منصوبے' کا ساتھ دیں اور اکثریت میں ہوتے ہوئے جمہوری حکومت آپ کی ہوگی' تو فیصلے بھی آپ کے ہوں گے۔'' ہمیں جواب ملتا ہے:

''ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ جنگ کریں گے اور اس وقت تک ہماری جنگ جاری رہے گی جب تک کہ قابض فوجیں پسپا نہیں ہو جاتیں اور جب ہم آزاد ہوں گے تو آزاد فضا میں آزاد فیصلے کریں گے۔ افغان قوم کے لئے امریکی منصوبے پر عمل کرنا ہماری قومی روایات اور دینی قدروں سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ہم جنگ کریں گے اور ان شاء اللہ اپنی آزادی حاصل کر کے رہیں گے۔''

افغان قوم نے جو فیصلہ کیا اس پر عمل کر کے دکھایا ہے جو اللہ کے اس وعدے پر کامل ایمان کی عملی شکل ہے کہ: ''تم ہی غالب رہو گے۔ اگر تمہیں زخم لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی ایسا ہی زخم

لگ چکا ہے۔'' اور '' عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔'' (آل عمران 138 تا 139 اور القمر 45)

پاکستان میں بمشکل تیس فیصد لوگ ایسے ہیں جو دین اور دنیا کی تعلیم سے بہرور ہیں اور صحیح معنوں میں پاکستانی کہلانے کے مستحق ہیں۔ اس تیس فیصد کو ساٹھ یا ستر فیصد تک لے جانا کس طرح ممکن ہے؟ یہی ہمارے لئے بڑا چیلنج ہے۔ ورنہ ہمیں اسلامی جمہوریہ پاکستان کہلانے کا کوئی حق نہیں ہے۔

ہارپ

HAARP

ہوائی وسمندری طوفان وزلزلہ لانے کا ہتھیار

نصرت مرزا

اخبار ’’نیویارک ٹائمز‘‘ میں ایک اسٹوری 8 دسمبر 1915ء میں امریکہ کے سائنسدان نیکولا ٹیسلا کے سائنسی تھیوری ٹیکنالوجی اور ایجادات کے بارے میں شائع ہوئی اور دوسری اسٹوری بھی ’’نیویارک ٹائمز‘‘ میں ہی مگر کوئی 25 سال بعد یعنی 22 ستمبر 1940ء کو شائع ہوئی۔ اس وقت اس امریکی سائنسدان کی عمر کوئی 80 سال کی تھی۔ اس میں اُنہوں نے یہ نظریہ پیش کیا کہ موسم میں ایسے تغیرات لائے جاسکتے ہیں جو بارش برسا سکتے ہیں اور زلزلہ لاسکتے ہیں یا کسی جہاز کے انجن کو کسی خاص جگہ سے 250 کلومیٹر پہلے ہی ایک چھوٹی سی شعاع سے پگھلایا جاسکتا ہے، کسی خاص ملک خطہ یا علاقے کے گرد شعاعوں کا دیوار چین جیسا حصار قائم کیا جاسکتا ہے مگر معروف امریکی سائنسدانوں نے اس نظریہ کو یہ کہہ کر مشہور نہیں ہونے دیا کہ اُن کے نظریہ کو قبول کرلیا جائے تو کرۂ ارض کو توڑ دے گا مگر امریکی حکومت نے اُن کے نظریہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے پینٹاگون کو ذمہ داری سونپی۔

پینٹاگون نے HIGH FREQUENCY ACTIVE AUROL RESEARCH PROGRAM (HAARP) پر کام شروع کیا اور الاسکا سے 200 میل کی دوری پر ایک انتہائی طاقتور ٹرانسمیٹر نصب کیا۔ 23 ایکڑ پلاٹ پر 180 ٹاورز پر 72 میٹر لمبے انٹینا نصب کئے جس کے ذریعہ تین بلین واٹ کی طاقت کی 10-2.5 میگاہرٹز کی فریکوئنسی سے ELECTROMAGNETICWAVE چھوڑی جاسکتی

ہے۔اس کے علاوہ امریکن اسٹار وارز، میزائل ڈیفنس اسکیم اور موسم میں اصلاح اور انسان کے ذہن کوقابو کرنے کے پروگراموں پر عملدرآمد کیا جارہا ہے۔موسمی تغیرات پیدا کرنے کے لئے ایک کم مگر طے شدہ کرۂ ارض کی فضائی تہوں میں کہیں بھی جہاں موسمی تغیر لانا ہو سے الیکٹرومیگنیٹک ویو الاسکا کے اس اسٹیشن سے چھوڑی جاسکتی ہیں، جوکئی سومیلوں کی قطر میں موسمی اصلاح کرسکتی ہے۔ امریکہ میں کسی بھی ایجاد کو رجسٹر کرانا ضروری ہے اوراس میں اُس کا مقصد اور اُس کی تشریح کرنا ضروری ہے۔چنانچہ HARRP کا پیٹنٹ نمبر 4,686,605 ہے۔اس کے تنقید نگار نے اس کا نام جلتی ہوئی شعاعی بندوق رکھا ہے۔اس پیٹنٹ کے مطابق یہ ایسا طریقہ اور آلہ ہے جوکرۂ ارض کے کسی خطہ میں موسمیاتی تغیر پیدا کردے اور ایسے جدید میزائل اور جہازوں کوروک دے یا اُن کا راستہ بدل دے، کسی پارٹی کے مواصلاتی نظام میں مداخلت کرے یا اپنا نظام مسلط کردے۔ دوسروں کے انٹیلی جنس سگنل کو قابو میں کرے اور میزائل یا ایئرکرافٹ کو تباہ کردے۔راستہ موڑ دے یااس کو غیر موثر کردے یا کسی جہاز کواونچائی پر لے جائے یا نیچے لے آئے۔اس کا طریقہ یہ پیٹنٹ میں یہ لکھا ہے کہ ایک یا زیادہ ذرات کا مرغولہ بنا کر بالائی کرۂ ارض کے قرینہ یا سانچے (PATTERN) میں ڈال دے تو اس میں موسمیاتی تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔اس کو موسمی اصلاح کا نام دیا گیا۔پیٹنٹ کے مطابق موسم میں شدت لانا تیزی یا گھٹنا، مصنوعی حدت پیدا کرنا، اس طرح بالائی کرۂ ارض میں تبدیلی لاکر طوفانی سانچہ یا سورج کی شعاعوں کو جذب کرنے کے قرینے کو تبدیل کیا جاسکتا ہے اوراس طرح وہ زمین کے کسی خطہ پر انتہائی سورج کی روشنی، حدت کو ڈالا جاسکتا ہے۔اس نظام پر ایک کتاب "ANGLES DON'T PLAY THIS HAARP" جو دوسائنسدانوں JEANE MANNING اور DR. NICK BEGICH نے لکھی ہے، اس کے مطابق کرۂ ارض کا اوپری قدرتی نظام جو سورج کی روشنی کا اس طرح بندوبست کرتا ہے کہ اُس کو انسان دوست رکھنے کے لئے نقصان دہ شعاعوں کو جذب کرلیتا ہے، مگر ہارپ کا مقصد IONOSPHERE کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا ہے۔اس کو IONOSPHERIC HEATER کا نام بھی دیا گیا ہے۔اس کے ذریعہ وہ مصنوعی حدت یا اس میں کمی بیشی کی جاسکتی ہے۔ہارپ کے بارے میں پہلی اطلاع 1958ء میں وہائٹ ہاؤس کے موسم کی اصلاح کے چیف

ایڈوائزر کیپٹن ہوورڈ ٹی اور ویلی نے یہ کہہ کر دی کہ امریکہ کرۂ ارض کے موسم کو ہیر پھیر کے ذریعہ متاثر کرنے پر تجربات کر رہا ہے۔ اسی طرح 1986ء میں پروفیسر گورڈن جے ایف میکڈونلڈ نے ایک مقالہ لکھا کہ امریکہ ماحولیات کنٹرول ٹیکنالوجی کے ملٹری مقاصد کے حصول کے لئے تجربات کر رہا ہے۔ یہ جغرافیائی جنگوں میں کام آئے گی اور قلیل مقدار کی انرجی سے ماحول کو غیر مستحکم کر دے گا۔

اس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر امریکہ کی رعونت اور امریکہ کی دنیا سے بے اعتنائی کوئی یوں ہی نہیں ہے، اس کے پیچھے اُس کی وہ سائنسی طاقت ہے جس میں ایٹم بم ایک حقیر ہتھیار ہو کر رہ گیا ہے۔ سائنسداں ہر وقت کام کرتے رہتے ہیں۔ پاکستان میں سائنسدانوں کو مقید کر کے رکھا جاتا ہے، وہاں پر موسموں کا ہیر پھیر، آب و ہوا کی اصلاح، قطب جنوبی و قطب شمالی کی برف کو بڑی مقدار میں پگھلانا یا پگھلنے کو روکنا اور اوزون کی تہوں کو تراشنا، سمندری لہروں کو قابو کرنا، دماغی شعاعوں کو قبضہ کرنا، دوسیاروں کی انرجی فیلڈ پر کام ہو رہا ہے۔ اسی وجہ سے 1970ء میں برزنسکی نے جہاں یہ کہا تھا کہ وہ دنیا کی طاقت کے محور کو امریکہ لے گئے ہیں اور اب کبھی یوروایشیا میں نہیں آنے دیں گے۔ اُنہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ زیادہ قابو میں رہنے والی اور ہدایت کے مطابق چلنے والی سوسائٹی، امریکی ٹیکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے ابھرے گی اور معاشرہ یا اس کرۂ ارض کے لوگ اُن لوگوں کے حکم پر چلیں گے جو زیادہ سائنسی علم رکھتے ہوں۔ یہ عالم لوگ روایتی اور منافقانہ یا بے تعصبی سے قطع نظر اپنے جدید ترین ٹیکنالوجی کو سیاسی عزائم کے حصول کے لئے بروئے کار لانے سے گریز نہیں کریں اور عوامی عادتوں اور معاشرہ کی کڑی نگرانی اور قابو میں رکھنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ جس صورت پر کام کیا جا رہا ہوگا اس پر تکنیکی اور سائنسی معیار اور مقدار متحرک کی جائے گی۔ ان کی یہ پیش گوئی آج صحیح ثابت ہو رہی ہے۔ آج ''امراء'' سامنے آ رہے ہیں اور سائنس کو بروئے کار لا کر زلزلے، سونامی، موسم میں تغیر، جہازوں کے راستے، جہازوں کو گرایا جا رہا ہے اور سیلاب لائے جا رہے ہیں۔

پاکستان میں موسم برسات میں عموماً مون سون کے بادل مشرق سے آتے ہیں اور سردیوں کی بارش کے مون سون مغرب سے، مگر اس دفعہ جس کی وجہ سے پاکستان میں تاریخ کا

بدترین سیلاب آیا، جس سے پاکستان کی زرعی معیشت زمین بوس ہوگئی اور کروڑوں افراد بے گھر ہوگئے، مون سون کے بادل مشرق اور مغرب سے آئے اور وزیرستان وشمالی علاقہ جات میں آکر ٹکرا گئے، اب ایسا کیوں ہوا؟، اس کے بعد ہم یہ سوچنے میں حق بجانب ہوں گے کہ پاکستان میں جو بدترین بارش ہوئی اور ہیبت ناک طوفان آیا قدرتی موسمی تغیرات اس کی وجہ ہیں یا یہ کسی انسانی عمل سے یہ تغیر پیدا ہوا۔ اس بات کے امکانات موجود ہیں کہ یہ تبدیلی بطور ہتھیار استعمال کی گئی، ایک خاص خطہ پر دومون سون کو ٹکرا کر تباہی لائی گئی، اس کے بعد شبہات بڑھ گئے ہیں کہ 2005ء کا زلزلہ بھی زمینی پلیٹوں میں تبدیلی کر کے لایا گیا ہو۔ اس بات پر بھی شک ہے کہ ایئر بلیو کی فلائٹ کے انجن کو کسی شعاع کے ذریعہ پگھلا دیا گیا اور سونامی بھی سمندری لہروں کو قابوں کرنے کے کسی تجربہ کی بناء پر آیا ہو۔ ایسا کیوں کیا جارہا ہے؟ کیا ہم ان سائنسی ایجاد کے پہلے ہدف ہیں اور ہمیں زیادہ مطیع بنانے کی کوشش کی جارہی ہے یا ہمارے ایٹمی اثاثہ جات کو ٹھکانے لگانا مقصود ہے۔ ایسا کرنے کے لئے، یہ کہا جاسکتا ہے کہ دووار کئے جاچکے ہیں، ایک زلزلہ اور دوسرا سیلاب۔

(ماخوذ از ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور شمارہ 36)

ڈاکٹر **محمد رفیع الدین** مرحوم

پی ایچ ڈی، ڈی لٹ

قارئین 'حکمت بالغہ' ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم کے نام سے نا آشنا نہیں ہیں۔ علامہ اقبال کے افکار کو جس شخص نے سب سے زیادہ سمجھا اس کے لیے زندگی وقف کر دی، اس پر لکھا اور اسے عام کیا.................. وہ آپ ہی کی ذات رفیع الصفات ہے۔

قیام پاکستان سے پہلے دور غلامی میں جبکہ ایک طرف مغربی نظریات کا سیلاب بھی تھا اور تہذیب مغرب کا سورج نصف النہار پر تھا آپ نے نہ صرف سارے مغربی افکار کا ابطال کیا بلکہ کرۂ ارض کے لیے اسلام کے غلبے کی فکری راہ ہموار کی۔ آپ کی کتاب "IDEOLOGY OF THE FUTURE" ایک معرکہ آرا کتاب ہے۔ آپ نے تعلیم کے شعبے میں بھی کام کیا اور اسلام یعنی وحی اور قرآن سے استفادے کے لیے حقیقی انسان بننے کی ضرورت پر زور دیا جو 'خلیفة اللّٰه فی الارض' کا مصداق بن سکے۔ لہٰذا آپ کے افکار میں حقیقت انسان (WHAT IS MAN?) اور حقیقی تعلیم یعنی ISLAMIC EDUCATION کو ایک CORNER STONE کی حیثیت حاصل ہے۔ آپ کی آخری کتاب 'حکمت اقبال' ہے جو اقبال فہمی کے ساتھ ساتھ آپ کے اپنے ذہن رسا کی جولانیوں اور بلند پروازی کا ثبوت ہے۔ آپ طویل عرصہ اقبال اکیڈمی کے ڈائریکٹر رہے اور 'اسلامی تعلیم' کے نام سے رسالہ جاری فرمایا۔ آپ کے حالات زندگی پر ایک وقیع مضمون معاصر جریدہ 'اقبال' میں شائع ہوا ہے۔ ہم اسے قارئین کی معلومات اور دلچسپی کے لیے شائع کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین
سفرِ علمی کی رُوداد

ڈاکٹر شفیق عجمی

(ماخوذ از سہ ماہی اقبال لاہور جلد 56، شمارہ 1 تا 4)

اقبال شناسی کی روایت میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین کا نام ایک ایسے عالم، دانشور اور اقبال شناس کی حیثیت سے باوقار رہے گا کہ اُنھوں نے نہ صرف اقبالیاتی سرمائے میں وقیع اضافہ کیا بلکہ اس کو نئی فکری وسعتوں سے بھی ہمکنار کیا۔ اقبال کی طرح وہ بھی تاعمر حصول و فروغِ علم کے لئے کوشاں رہے۔ زیرِ نظر صفحات میں ان کی انہی مساعی کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

نام:

میٹرک کے رزلٹ میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین کا نام صرف ''محمد رفیع'' درج ہے جبکہ بی۔ اے اور اس کے بعد کی تمام ڈگریوں پر ''محمد رفیع الدین'' لکھا گیا ہے۔

ان کی پہلی تصنیف "Ideology of the Future" (پہلا ایڈیشن جموں، اپریل 1946ء) اور آخری تصنیف ''حکمتِ اقبال'' (ایڈیشن لاہور، 1969ء) پر بھی ان کا نام ''محمد رفیع الدین'' ہی لکھا گیا ہے سوائے قیامِ پاکستان کے بعد شائع ہونے والی تصنیف ''پاکستان کا مستقبل'' (پہلے ایڈیشن) کے، جس کے سرورق پر ''محمد رفیع الدین ملک'' اور اندر کے صفحے پر ''ملک محمد رفیع الدین'' شائع ہوا ہے۔ اسی کتاب کا دوسرا ایڈیشن جب آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس کی طرف سے 1994ء میں شائع ہوا تو اس کے ٹائٹل پر ''ڈاکٹر محمد رفیع الدین'' کے الفاظ درج کیے گئے۔ علمی و فکری مباحث میں بھی ڈاکٹر مرحوم کا یہی نام معروف ہے۔

تعلیم:

ڈاکٹر رفیع الدین کی تعلیمی زندگی پر نظر ڈالیے تو اس میں سائنس، ادب اور فلسفے کا حسین امتزاج نظر آئے گا۔ اُنہوں نے میٹرک اور انٹر کی سطح تک سائنس کا مطالعہ کیا، بی اے میں ان کے مضامین معاشیات اور عربی تھے، ایم اے عربی زبان و ادب میں کیا۔ فارسی میں آنرز کی ڈگری حاصل کی۔ بعد میں پی ایچ ڈی (Ph.D) اور ڈی لٹ (D.Litt) کی ڈگریاں ان کو فلسفے میں عطا ہوئیں۔ اُنہوں نے تاعمر قرآن اور دینی علوم کا گہرا مطالعہ کیا۔ اقبال کی شاعری اور فکر و فلسفہ سے ان کو عشق کی حد تک لگاؤ تھا جو بقول اُن کے ان کی بیشتر علمی تصانیف کا محرک بھی ہے۔ اس متنوع علمی پس منظر کی بدولت ان کا اسلوبِ تحریر گہرا فلسفیانہ اور وسعت کا حامل ہے جو بعض طبائع کو کھٹکتا بھی ہے لیکن اس کی علمی سطح سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے میٹرک 1920ء میں فزکس اور بائی جین کے ساتھ درجۂ دوم میں پاس کیا۔ ایف ایس سی میں وہ نان میڈیکل کے طالب علم تھے جب کہ بی اے میں ان کے اختیاری مضامین معاشیات اور عربی تھے۔ مجموعی طور پر اُنہوں نے درجۂ دوم حاصل کیا اور عربی کے مضمون میں اوّل رہے۔ یہ بھی ایک وجہ تھی کہ اُنہوں نے 1929ء میں اورینٹل کالج لاہور سے ایم اے عربی کا امتحان پاس کیا۔ 1930ء میں وہ آنرز ان پرشین کے امتحان میں بھی کامیاب ہوئے۔ بعد میں دوران ملازمت ان کو 1949ء میں ان کی فلسفیانہ تصنیف "Ideology of the Future" پر پی ایچ ڈی کی ڈگری دی گئی؛ جس کے ممتحن ڈاکٹر رادھا کرشنن، پروفیسر ولیم لِلی اور سید ظفر الحسن مقرر ہوئے۔ کلیم اختر کے مطابق ڈاکٹر رادھا کرشنن نے اعتراف کیا کہ یہ مقالہ علمی دنیا میں ایک ٹھوس اضافہ ہے۔ پروفیسر لِلی نے اس کو فرائڈ، ایڈلر، کارل مارکس اور میکڈوگل کے نظریات کا حتمی ابطال قرار دیا جبکہ سید ظفر الحسن کی رائے یہ تھی کہ آج تک فلسفہ کی کوئی کتاب ان کی نظر سے ایسی نہیں گزری جو اسلام کے اس قدر قریب ہو۔

1949ء میں پنجاب یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ میں جب یہ کتاب ڈاکٹریٹ آف فلاسفی کی ڈگری کے لیے پیش ہوئی تو سنڈیکیٹ میں شامل بعض حضرات نے اعتراض کیا کہ چونکہ ڈاکٹر صاحب فلسفے میں ماسٹرز ڈگری کے حامل نہیں ہیں، اس لیے انھیں فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری نہیں ملنی چاہیے۔ اس وقت پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر، ڈاکٹر عمر حیات ملک میں موجود تھے۔

انہوں نے اس اعتراض کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ اگر کوئی شخص فلسفے میں ماسٹرز ڈگری کا حامل ہوتے ہوئے بھی فلسفے میں ایسی معرکتہ الآرا کتاب نہیں لکھ سکا تو ڈاکٹر صاحب کو' جنہوں نے فلسفے میں ماسٹرز ڈگری کے حامل نہ ہونے کے باوجود ایسی کتاب لکھی ہے' ڈاکٹریٹ ضرور ملنی چاہیے۔ یہ ان کی ذہانت اور علمی بلندی کا ایک بہت بڑا اعتراف تھا۔

1961ء میں فلسفہ تعلیم پر شائع ہونے والی ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی اعلیٰ پائے کی تصنیف "First Principles of Education" پر 1965ء میں پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے آپ کو ڈی لٹ(D.Litt) کی ڈگری عطا ہوئی۔ یاد رہے کہ یونیورسٹی کی یہ اعلیٰ ڈگری بھی آپ کو فلسفے میں دی گئی۔

ملازمت اور علمی مشاغل:

1929ء میں ایم اے (عربی) کے امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد آپ کا تقرر بحثیت پروفیسر عربی اور اُردو' سری پرتاب سنگھ کالج' سری نگر میں ہوا۔ یہ حکومتِ جموں وکشمیر کے محکمہ تعلیم میں آپ کی ملازمت کا آغاز تھا۔ 1930ء میں آپ نے آنرز اِن پرشین کا امتحان پاس کیا۔ 1932ء میں آپ کو پرنس آف ویلز کالج' جموں میں پروفیسر عربی اور فارسی مقرر کیا گیا جہاں آپ 1946ء تک اپنے فرائض منصبی ادا کرتے رہے۔

پرنس آف ویلز کالج جموں' جہاں آپ نے اپنی ملازمت کا تقریباً 14 سال کا عرصہ گزارا' کئی لحاظ سے ایک اہم دور تھا۔ آپ کو اپنی علمی اور انتظامی صلاحیتوں کے اظہار کا بھرپور موقع ملا۔ کالج کے اس وقت کے پرنسپل' پروفیسر ایس آر سوری (سیوارام سوری) بھی آپ کی صلاحیتوں کے معترف تھے۔ خاص طور پر آپ کی کلاسوں میں نظم وضبط مثالی تھا۔

آپ اپنی پُروقار شخصیت اور جامہ زیبی کی بدولت طلبہ میں بے حد مقبول تھے۔ کلیم اختر نے بھی لکھا ہے کہ آپ اس زمانے میں عمدہ سلا ہوا انگریزی سوٹ زیب تن فرماتے تھے اور سر پر رومی ٹوپی پہنتے تھے۔ جامہ زیبی، مزاج میں گہری سنجیدگی اور رکھ رکھاؤ کی بدولت ہی آپ کالج کے طلبہ میں ''نواب صاحب'' کے نام سے مشہور تھے جس کی تصدیق محمود ہاشمی کی تصنیف ''کشمیر اداس ہے'' کے صفحات سے بھی ہوتی ہے۔

کالج کے سینئر سٹاف ممبر ہونے کی وجہ سے آپ علمی وادبی اور طلبہ کی دیگر سرگرمیوں کے انچارج بھی تھے۔ کالج میگزین ''توی'' کی نگرانی بھی آپ کے ذمہ تھی۔ آپ ہی کے زمانے میں قدرت اللہ شہاب اور محمود ہاشمی اس مجلّے کے ایڈیٹر رہے۔

قدرت اللہ شہاب اور بعد میں ان کے چھوٹے بھائی حبیب اللہ شہاب بھی آپ کے شاگردوں میں شامل تھے۔ قدرت اللہ شہاب ان دنوں انگریزی ادب سے مسحور تھے' یہ الگ بات ہے کہ بعد میں ان کو شہرت ان کی اُردو تخلیقات کی بدولت حاصل ہوئی۔ جموں کالج کا تذکرہ اُنہوں نے ''شہاب نامہ'' میں بھی کیا ہے:

''پرنس آف ویلز کالج کے چاروں سال انگریزی کا بھوت میرے سر پر بُری طرح سوار رہا۔ اگرچہ کالج میگزین ''توی'' کے اُردو سیکشن کی ادارت میرے سپرد تھی۔ تاہم اُردو تک بھی میری رسائی بزبان انگریزی ہی ہوتی تھی۔''

محمود ہاشمی نے بھی ''توی'' کی ادارت حاصل ہونے اور پروفیسر رفیع الدین کی نگرانی میں اس کو ترتیب دینے کی دلچسپ رُوداد بیان کی ہے:

''مجھے کالج میگزین ''توی'' کی ادارت ملی (توی پرنس آف ویلز کالج کا میگزین تھا لیکن اسے کچھ اس طرح کی حیثیت حاصل تھی کہ جیسے یہ سارے شہر کا ادبی مجلّہ ہو۔ میرے لئے اس کا ایڈیٹر مقرر کیا جانا بڑا اعزاز تھا۔ کچھ سال قبل قدرت اللہ شہاب اور اسحاق قریشی بھی اس کے ایڈیٹر رہ چکے تھے) تو پروفیسر رفیع الدین اس کے نگران تھے۔ جب اس کے چھپنے کا وقت آیا تو میگزین کے لئے آئے ہوئے افسانے' نظمیں اور مضامین کا پلندہ سنبھالے کئی دن ان کے پیچھے پیچھے پھرتا رہا۔''

اقبال بنام رفیع الدین:

اقبال کو کشمیر اور آزادئ کشمیر سے جو تعلق تھا وہ تا عمر قائم رہا اور اس کا اظہار نہ صرف ان کی شعری وفکری کاوشوں میں جا بجا ہوا ہے بلکہ علمی طور پر بھی وہ تحریک آزادی اور اس سے منسلک مشاہیرِ کشمیر سے وابستہ رہے جن کا ثبوت اقبال کے وہ خطوط ہیں جو اُنہوں نے مشاہیر کشمیر کے نام

تحریر کیے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی زندگی کے آخری برسوں میں بھی؛ جبکہ وہ مختلف مسائل کا شکار تھے؛ مسئلہ کشمیر کو اپنی توجہ کا مرکز بنائے رہے۔ مشاہیر کشمیر میں سے منشی محمد الدین فوق، منشی سراج الدین اور دیگر اصحاب کے نام لکھے گئے خطوط میں مسئلہ کشمیر اور اس کے مختلف پہلوؤں پر اقبال کے خیالات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔

22 ستمبر 1932ء کو ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے نام لکھے گئے اپنے مکتوب میں علامہ اقبال نے قضیہ کشمیر سے متعلق بعض اہم دستاویزات کے حصول میں ان سے تعاون چاہا ہے۔ اس مختصر مگر اہم مکتوب کا متن درج ذیل ہے:

''جنابِ من! السلامُ علیکم!

مجھے معلوم ہے اس قسم کے دستاویز آپ کے پاس ہیں لیکن اگر وہ پوشیدہ رہیں تو ان کا کیا فائدہ ہے؟ مجھے آپ اس کے اصل بھجوا دیجیے تو میں ان سے فائدہ اُٹھانے کی کوئی صورت نکالوں۔''

علامہ اقبال کا ڈاکٹر رفیع الدین کے نام صرف ایک خط دستیاب ہوا ہے اور اس کے مابعد اثرات اور پیش رفت پر کوئی معلومات نہیں ملتی ہیں لیکن کلیم اختر نے اس سے یہ نتیجہ ضرور اخذ کیا ہے کہ ڈاکٹر رفیع الدین کا اقبال سے رابطہ ابتدا ہی میں قائم ہو گیا اور اس خیال کا اظہار بھی کیا ہے کہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے ایک بھائی (غالباً کزن) عبدالمجید قریشی، ایڈیٹر ''جمہور'' (جموں) تحریک آزادی کشمیر کے ایک سرگرم کارکن تھے اور ریاستی حکومت کی مسلم کش پالیسوں کو بے نقاب کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے اور ممکن ہے وہ اپنے بھائی کی وساطت سے ریاستی اُمور سے متعلق کاغذات حضرت علامہ کو پہنچانے کے خواہش مند ہوں۔

بلاشبہ تحریک آزادیٔ کشمیر میں مولانا عبدالمجید قریشی کا کردار بہت نمایاں رہا اور اس کا اعتراف بھی کیا گیا ہے۔ مولانا عبدالمجید سالک ''سرگزشت'' میں لکھتے ہیں:

''عبدالمجید قریشی جموں کے قومی کارکنوں میں بہت ممتاز تھے اور چوہدری غلام عباس اور اللہ رکھا ساغر کے ساتھ ہر تحریک میں نمایاں حصہ لیتے تھے۔ ان کا ہفتہ وار ''جمہور'' ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن اور کشمیر مسلم کانفرنس کے مطالبات کا حامی تھا اور

ہمارے ساتھ قریشی صاحب کے تعلقات اس لئے اور بھی زیادہ گہرے ہو گئے کہ وہ ریاست جموں کشمیر میں ''انقلاب'' کے ممتاز ترین نامہ [نگار] تھے اور مجھے دل سے اعتراف ہے کہ قریشی صاحب نے ''انقلاب'' میں کشمیر کے مسائل پر جو بھی لکھا وہ صحت واحتیاط کا نمونہ تھا۔ چنانچہ ان کے بہم پہنچائے ہوئے واقعات واعداد پر میں نے بار بار حکومت کشمیر کو چیلنج کیا لیکن حکومت کسی چیز کی تردید نہ کر سکی۔''

ممکن ہے کلیم اختر کا مفروضہ درست ہو اور قضیۂ کشمیر سے متعلق بعض اہم دستاویزات ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی دسترس میں ہوں جن سے کہ ان کا تحریک کشمیر کے ساتھ عملی رابطہ ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر دیگر ذرائع سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی تو اس کی وجہ سے قضیۂ کشمیر کی حساس نوعیت بھی ہو سکتی ہے۔ یوں بھی یہ ڈاکٹر رفیع الدین کی ملازمت کے ابتدائی سال تھے جو ان کے براہ راست سیاسی اُمور میں ملوث ہونے کے راستے میں مانع ہو سکتے تھے۔ عبدالمجید قریشی، ممتاز صحافی قیوم قریشی کے والد تھے۔ پرنس آف ویلز کالج، جموں میں قیوم قریشی، ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے شاگرد بھی رہے۔ اُنھوں نے دوٹوک الفاظ میں ڈاکٹر صاحب کی کسی سیاسی وابستگی کی تردید کرتے ہوئے لکھا:

''ریاست جموں وکشمیر میں کم وبیش سبھی مسلمان، خواہ ان کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبے (سرکاری ملازمت سمیت) سے ہو اپنی جگہ تحریک آزادی کشمیر کے کارکن ہوتے تھے لیکن جن معدودے چند اصحاب کے بارے میں یہ بات نہیں کہی جا سکتی ان میں پروفیسر صاحب مرحوم بھی شامل تھے۔ وہ اصل میں خالص علمی انسان تھے اور سیاست سے انہیں قطعاً کوئی تعلق واسطہ نہیں تھا۔''

ڈاکٹر صاحب کے صاحبزادوں صلاح الدین محمود، عبدالسلام، شجاع الدین اور ان کے بھتیجے ملک خورشید نے، جن کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری ڈاکٹر صاحب نے اپنے سر لے رکھی تھی ان کے معمولات کا ذکر کرتے ہوئے خاص طور پر اس پہلو پر زور دیا ہے کہ اُنھوں نے ہمیشہ ڈاکٹر صاحب کو پڑھتے لکھتے ہی دیکھا ہے اور اس کے علاوہ ان کی زندگی میں کوئی دوسری سرگرمی نہیں تھی۔ البتہ پرنس آف ویلز کالج، جموں کے قیام کے دوران میں ان کی عملی زندگی کا جو سب

سے اہم واقعہ ہمارے سامنے آتا ہے وہ ان کی تصنیف "Ideology of the Future" کی تکمیل ہے جسے اُنہوں نے 1942ء میں مکمل کیا۔

> ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے احباب میں سے بعض نے "Ideology of the Future" کی تصنیف سے متعلق ایک واقعہ ڈاکٹر صاحب سے منسوب کرتے ہوئے اُسے عجیب مافوق الفطرت انداز میں بیان کیا ہے کہ یہ کتاب لکھنے سے پہلے خیالات کا ایک تندوتیز طوفان ان کے ذہن میں سمٹ آیا تھا جس کے نتیجے میں ڈاکٹر صاحب شدید علیل ہوگئے۔ ڈاکٹروں نے اعصابی بے چینی تشخیص کی۔ انھی دنوں ان کے ایک عزیز ان کی بیماری کا حال سن کر اُن کے پاس جموں تشریف لائے اور ایک دن سیر کے لئے ساتھ لے گئے۔ راستے میں پہاڑوں کے ایک خوش منظر گوشے میں ایک نہایت ہی نورانی شکل کے بزرگ سے ملاقات ہوگئی، جنھوں نے انھیں ہدایت کی کہ وہ کتاب لکھنا شروع کردیں۔ اس مشورے پر اُنہوں نے سکون محسوس کیا، گھر آکر قلم اُٹھایا تو آمد کا یہ عالم تھا کہ رہوارِ قلم روکے نہیں رُکتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے اپنے بیان کے مطابق پوری کتاب دو تین ہفتوں میں مکمل ہوگئی اور انہیں یوں محسوس ہوا جیسے کوئی بوجھ اُن کے دل سے اُتر گیا ہو۔ بیماری بھی جاتی رہی اور وہ مکمل طور پر صحت یاب ہوگئے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے ایک بھتیجے، ملک خورشید احمد نے (جو کہ گورنمنٹ کالج ساہیوال میں لائبریرین بھی رہے اور وہیں سے ریٹائر ہوئے) "Ideology of the Future" کی تصنیف کے وقت پرنس آف ویلز کالج، جموں میں زیرِ تعلیم تھے اور ڈاکٹر صاحب کے ہاں ہی قیام پذیر تھے، بڑے صاف اور واضح الفاظ میں ان دنوں کی کیفیات کا ذکر کیا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے یہ کتاب بڑی Intensive Study کے بعد لکھنا شروع کی اور اس سے پہلے وہ گرما کی چھٹیوں میں ان کے ساتھ لاہور آئے جہاں سے بہت سی اہم کتابیں حاصل کیں اور واپس جموں پہنچ کر بڑی یکسوئی کے ساتھ کتاب لکھنے کا آغاز کیا۔ اُنہوں نے فرش پر دری بچھا رکھی تھی اور مسلسل اپنے کام میں مگن تھے۔ ملک خورشید بتاتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب اس کتاب کو اپنی زندگی کا اہم مشن قرار

دیتے تھے اور اس کی تکمیل کے دوران میں، میں نے انہیں صرف پڑھتے، لکھتے یا اردگرد سے بے نیاز گہری سوچوں میں ڈوبے پایا۔

"Ideology of the Future" میں جس طرح سے مغربی مفکرین اور ماہرین نفسیات کے حوالے آئے ہیں اور ان کے نظریات کا ابطال کیا گیا ہے اس کے لئے واقعتاً بڑی علمی تیاری کی ضرورت تھی اور بہت سی حوالہ جاتی کتب بھی درکار تھیں اور ساتھ ہی غائر مطالعہ بھی ضروری تھا جس کے نتیجے میں ان کا شدید طور پر اعصابی دباؤ کا شکار ہو جانا کوئی اچنبھے کی بات نہیں جسے بے وجہ ماورائی رنگ دے دیا گیا۔ ملک خورشید نے ایک عینی شاہد کی حیثیت سے اس سارے علمی و تحقیقی عمل کو اس کے فطری انداز میں بیان کر دیا ہے جس سے کوئی بھی الجھاؤ باقی نہیں رہتا۔

1946ء میں ڈاکٹر رفیع الدین کو سری کرن سنگھ کالج میرپور کا پرنسپل مقرر کیا گیا۔ چند سال پہلے قائم ہونے والے اس کالج کے تعلیمی و تنظیمی اُمور کے بارے میں آپ کے ذہن میں کئی منصوبے تھے لیکن اس سے پہلے کہ ان پر پوری طرح سے عمل درآمد کیا جاتا، ملک تقسیم ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی فسادات اور قتل و غارت کا ایک خوفناک سلسلہ شروع ہو گیا۔ بہت سے دوسرے مسلمان سرکاری افسران کی طرح ڈاکٹر صاحب نے بھی پاکستان ہجرت کر جانے کا فیصلہ کیا۔ اہل خانہ کچھ عرصہ پہلے ہی گوجرانوالہ جا چکے تھے۔ ڈاکٹر صاحب بھی کسی نہ کسی طرح سے اپنی جان بچا کر پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

حکومتِ جموں کشمیر میں یہ آپ کا آخری تقرر تھا۔ محکمہ تعلیم جموں و کشمیر کی ملازمت کے دوران میں آپ کا سب سے نمایاں علمی کام 1942ء میں "Ideology of the Future" کے عنوان سے تکمیل کو پہنچا جسے 1946ء میں آپ نے اپنے خرچ پر شائع کر دیا۔ تقسیم کے وقت ہونے والے فسادات میں جہاں اور بہت کچھ برباد ہوا، وہیں اس کتاب کے جو چند سو نسخے شائع ہوئے تھے ان میں سے بھی چند ایک کے سوا بیشتر ضائع ہو گئے۔ اس کتاب کے پاکستان میں شائع ہونے والے ایڈیشنوں میں اس تلخ حقیقت کا اظہار بھی ملتا ہے۔ پاکستان آ کر کچھ عرصہ تک آپ کو بیروزگاری اور دوسری مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن آپ کو خوشی تھی کہ آپ کے تصورات کے

مطابق مستقبل کی عظیم الشان اور عالمگیر ریاست وجود میں آ گئی۔ آپ نے ایک طویل عریضہ قائداعظم اور اراکین اسمبلی کے نام لکھا اور اپنی کتاب بھی ارسال کی۔

ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک ری کنسٹرکشن میں علامہ محمد اسد کے ساتھ:

قیام پاکستان کے فوراً بعد حکومت مغربی پاکستان نے نومسلم سکالر علامہ محمد اسد (Leopoid Weises) کی نظامت میں ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک ری کنسٹرکشن قائم کیا تو محمد رفیع الدینؒ ریسرچ آفیسر کی حیثیت سے اس کے ساتھ وابستہ ہوگئے۔ ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک ری کنسٹرکشن کے قیام کے مقاصد کی وضاحت علامہ اسد نے ادارے کے ترجمان علمی جریدے ''عرفات'' میں اس طرح سے کی:

> ''اُن زبردست روحانی اور مادی تغیرات کے پیش نظر جو پچھلے چند دنوں میں ملت اسلامیہ کے اندر اس ملک میں رونما ہو رہے ہیں حکومت مغربی پنجاب نے مناسب سمجھا کہ ایک نئے محکمے کی بنا ڈالے تا کہ وہ بعض ایسے مسائل کا حل سوچے جو ان تبدیل شدہ حالات سے مرتب ہوئے۔ اس محکمے کی غایت یہ ہے کہ اسلامی اُصولوں کے ماتحت زندگی کی از سرِ نو تعمیر میں ملت کا ہاتھ بٹائے اور یہ وجہ ہے کہ اس کا نام ''محکمہ احیائے ملت اسلامیہ'' (Deptt. of Islamic Reconsturction) رکھا گیا۔ عصر حاضر میں یہ پہلا موقع ہے جب اس ملک میں ایک سرکاری محکمے کے ساتھ ''اسلام'' کا لفظ ملحق نظر آتا ہے۔''

علامہ اسد نے احیائے ملت اسلامیہ کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے، تعلیم، مرکزی دارالعلوم، شریعت اور احیائے ملی، اسلامی فقہ اور اسلامی معاشیات، اوقات کی تنسیق اور اخلاقِ ملی کے ذیلی عنوانات کے تحت ادارے کے آئندہ لائحہ عمل پر بھی روشنی ڈالی اور واضح کیا کہ اسلامی فکر و عمل کا احیا اور وہ بھی صدیوں کے زوال و انحطاط کے بعد کوئی معمولی بات نہیں۔ یہ اتنا بڑا کام ہے جس کے لئے ملک کے بہترین دماغوں کے اشتراکِ عمل کی ضرورت ہوگی تا کہ وہ اس مقصد کے لئے ایک قطعی راستہ اور اس کی ضروریات کا ایک مکمل نقشہ تجویز کرسکیں۔

سہ ماہی اُردو، انگریزی مجلّہ ''عرفات'' کا اجرا بھی مذکورہ مقاصد کے حصول کے لئے کی

جانے والی کوششوں کا ایک حصہ تھا۔

اسی ادارے کی ملازمت کے دوران میں آپ نے ''پاکستان کا مستقبل'' کے عنوان سے ایک مقالہ قلم بند کیا جو ایک کتابچے کی صورت میں شائع ہوا۔

1949ء میں ادارۂ احیائے ملت اسلامیہ اپنے قیام کے مقاصد کی تکمیل سے پہلے ہی بعض نامعلوم وجوہات کی بنا پر بند ہو گیا تو ڈاکٹر صاحب ایک بار پھر پریشان حالی کا شکار ہوئے۔

فروری 1951ء میں آپ کو وزارت اُمور کشمیر' حکومتِ پاکستان نے شعبۂ تعلقات عامہ میں انفارمیشن آفیسر کے عہدے کی پیشکش کی جسے آپ نے اپنے علمی مزاج سے ہم آہنگ نہ ہونے کی بنا پر قبول نہ کیا۔ کیونکہ جنوری 1951ء میں پاکستان پبلک سروس کمیشن نے آپ کو سول سروس اکیڈمی لاہور میں لیکچرار اسلامیات، تاریخ اسلام اور اُردو کی اسامی کے لئے منتخب کر لیا تھا اور ان کو ہدایت کی تھی کہ وہ 15/جون 1951ء کو اکیڈمی میں اپنی ذمہ داریاں سنبھال سکیں گے۔ لیکن محکمے میں ان کی Joining سے پہلے ہی وہ اسامی ختم کر دی گئی اور مسٹر ای اے فرینکلن (E.A Franklin) ڈپٹی سیکرٹری کیبنٹ ڈویژن حکومتِ پاکستان نے اپنے خط محررہ 12/مئی 1951ء کے ذریعے اس کی باقاعدہ اطلاع ڈاکٹر محمد رفیع الدین کو پہنچا دی۔ ڈاکٹر صاحب نے اس فیصلے پر تحریری احتجاج بھی کیا جس کا کچھ اثر نہ ہوا۔

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ میں خلیفہ عبدالحکیم کے ساتھ:

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کا اگلا پڑاؤ ادارۂ ثقافت اسلامیہ' (Insitute of Islamic Culture) جس کی بنیاد 1950ء میں ڈائریکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے گورنر جنرل غلام محمد کے مشورے سے رکھی تھی اور ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ہی اس ادارے کے پہلے اکیڈمک ڈائریکٹر بھی مقرر ہوئے جس کے بارے میں مولانا محمد حنیف ندوی نے اپنی رائے دیتے ہوئے لکھا تھا کہ ''سچ بات یہ ہے کہ وہی (خلیفہ صاحب) اس منصب کے لئے موزوں بھی تھے۔''

خلیفہ عبدالحکیم نے بڑی تگ ودو کے ساتھ ادارے میں نامور علمی شخصیات کو جمع کیا جن میں ڈاکٹر رفیع الدین' مولانا مظہر الدین صدیقی' خواجہ عباد اللہ اختر' مولانا محمد حنیف ندوی' مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری' بشیر احمد ڈار' رئیس احمد جعفری اور شاہد حسین رزاقی کے اسمائے گرامی قابل ذکر

ہیں۔یہی وہ سکالرز ہیں جنھوں نے وقت کے علمی وفکری رجحان اور کامل سماجی اور سیاسی شعور کے ساتھ ادارہ ثقافت اسلامیہ کی علمی حیثیت میں استحکام اوراس کے وقار میں اضافہ کیا۔

مولانا محمد حنیف نے ادارۂ ثقافت اسلامیہ سے وابستہ شخصیات کی علمی حیثیت اور مہارت کا تجزیہ کرتے ہوئے رفقا کے اس انتخاب کو حددرجہ موزوں قرار دیا، خاص طور پر ڈاکٹر رفیع الدین کے تذکرے میں لکھا:

> ''ڈاکٹر رفیع الدین'' آئیڈیالوجی آف دی فیوچر'' لکھ کر علمی و دینی حلقوں میں اپنا اثر رسوخ قائم کر چکے تھے......اُنہوں نے اسلام کے تعلیمی فلسفے اوراس کے منشور و دعوت کی وضاحت کو اپنے ذمے لیا۔''

ڈاکٹر محمد رفیع الدین ادارۂ ثقافت اسلامیہ میں بحیثیت ریسرچ آفیسر منسلک تھے۔اس ادارے میں اپنے قیام کے دوران میں اُنہوں نے ''قرآن اور علم جدید''، ''روح اسلام''، Fallacy of Marxism (مارکسیّت کا مغالطہ)' اسلام کا نظریۂ تعلیم اور کئی دوسرے مقالات تحریر کیے۔

اقبال اکادمی پاکستان کے پہلے ڈائریکٹر کے طور پر تقرر:

1951ء میں اقبال اکادمی پاکستان کا ادارہ نیم سرکاری حیثیت میں کراچی میں قائم ہوا کیونکہ اس وقت کراچی پاکستان کا دارالحکومت تھا۔ 1962ء میں ایک صدارتی آرڈیننس کے ذریعے اسے از سرنو منظّم کیا گیا۔ جب سے یہ ادارہ ''اقبال اکادمی پاکستان'' کے نام سے موجود صورت میں مصروف کار ہے۔

اقبال اکادمی پاکستان کے پہلے ڈائریکٹر ہونے کا اعزاز ڈاکٹر محمد رفیع الدین کو حاصل ہے۔اس منصب پر آپ کا تقرر 1953ء میں ہوا۔آپ اپنی ریٹائرمنٹ تک اس ادارے کی ترقی اور فروغ کے لئے کوشاں رہے۔

آپ ہی کے دورِ نظامت میں اقبال اکادمی پاکستان کے ترجمان مجلّات کے طور پر اپریل 1920ء میں سہ ماہی اقبال ریویو Iqbal Review (انگریزی) اور ''اقبالیات'' (اُردو) کا اجراء ہوا۔

ڈاکٹر رفیع الدین کو یہ احساس تھا کہ چند استثنائی مثالوں کو چھوڑ کر، اقبال پر اب تک جو کام ہوا ہے وہ نہ تو علمی معیار پر پورا اُترتا ہے اور نہ ہی اس میں افکارِ اقبال کی بھرپور تشریح و توضیح کا اہتمام نظر آتا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اقبال کے ساتھ اپنے تمام تر عقیدت مندانہ جذبات سے بلند ہو کر اس کے افکار کا ایک منظّم اور مربوط عقلی و سائنسی مطالعہ پیش کیا جائے جو عالمی سطح پر اقبال کی حقیقی عظمت کو سامنے لانے کا ذریعہ بن سکے۔

ڈاکٹر رفیع الدین نے 1960ء میں لکھے جانے والے ایک مقالے بعنوان "Scientific Exposition of Iqbal" میں اپنا موٴقف پیش کیا کہ اقبال کے فلسفۂ خودی کی روشنی میں جدید علوم کے جائزے پر مبنی ایک علمی منصوبے پر کام کا آغاز کیا جانا چاہیے جس کے تحت سیاسیات، تعلیمات، اخلاقیات، نفسیات اور تاریخ کے بنیادی اُصولوں کو زیر بحث لایا جا سکے۔ ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا کہ یہ منصوبہ ملک کے نامور اہل علم کے تعاون سے اقبال اکادمی پاکستان جیسے ادارے کی نگرانی میں ہی موٴثر طور پر پایۂ تکمیل تک پہنچ سکتا ہے۔

مذکورہ مقاصد کے حصول کے لئے آپ نے ''اقبال ریویؤ' اور ''اقبالیات'' میں نہ صرف خود علمی و فکری مقالات لکھے بلکہ دیگر اہل علم سے بھی قلمی تعاون حاصل کیا جس سے مجلّات کا معیار بھی قائم ہوا۔

اقبال اکادمی پاکستان کی ملازمت کے دوران ہی آپ نے اپنی اہم تصنیف "Manifesto of Islam" (منشورِ اسلام) مکمل کی۔ اس کے علاوہ آپ نے فلسفہ تعلیم پر "First Principles of Education" (تعلیم کے ابتدائی اُصول) بھی لکھی جس پر بعد میں آپ کو پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے ڈی لٹ (D.Litt) کی ڈگری دی گئی۔ ''اسلام اور سائنس'' کے عنوان سے ایک اہم مقالہ بھی شائع ہوا جس کو علمی و ادبی حلقوں میں بے حد سراہا گیا۔

انٹرنیشنل اسلامک کلوکیم میں شرکت کا اعزاز:

حکومت پاکستان اور پنجاب یونیورسٹی کے اشتراک سے 29/دسمبر 1957ء سے 8/جنوری 1958ء تک انٹرنیشنل اسلامک کلوکیم کا انعقاد بھی ایک تاریخی علمی واقعہ ہے جس میں تقریباً چالیس ممالک کے نامور سکالرز نے شرکت کی اور اسلام اور ثقافت کے حوالے سے اپنے

تحقیقی مقالات پیش کیے ڈاکٹر محمد رفیع الدین کو بھی بین الاقوامی اسلامی مذاکرے میں شرکت کا اعزاز حاصل ہوا۔

یہ کلوکیم دنیا میں اپنی قسم کا ایسا دوسرا علمی اجتماع تھا۔ اس سے قبل 1953ء میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں کانگریس لائبریری اور پرنسٹن یونیورسٹی کے اشتراک سے ایک کلوکیم منعقد ہو چکا تھا۔ لیکن اپنے موضوعات کی وسعت اور نامور علمی شخصیات کی تعداد کی بدولت لاہور میں منعقدہ کلوکیم بلاشبہ بے مثال تھا۔

کلوکیم میں مسلم سکالرز کے ساتھ ساتھ دیگر ادیان اور عقائد سے تعلق رکھنے والے محققین و مستشرقین بھی شریک ہوئے جن میں شاہ محمد ارشاد، محمد موسیٰ شفیق (افغانستان)، سید عبدالحمید خطیب، شیخ احمد جمال (سعودی عرب)، سید محمد یوسف (سیلون)، محمد عبدالمعز نصر، پروفیسر عثمان امین، محمد ابوزہرا، یحییٰ الخشاب، محمد حب اللہ، محمد عبداللہ العربی، مہدی عالم، امین عفیفی، علی حسن عبدالقادر، عبدالوہاب عزام (مصر)، تنکو محمد جی الشدیقی، انور معدد، عبدالقاہر، عبدالمالک کریم (انڈنیشیا)، محمود شہابی، صادق شفق، محمد معین، سید محمد شیخ الاسلام، ابوالفضل حاذقی، صفا خلوصی (ایران)، عبدالغفور شیخ (کینیا)، نہاد القاسم شیخ محمد بہجت البیطار، عمر بہاء الدین الامیری، احمد سمان، مصطفیٰ الزرقا، محمد المبارک (شام)، شیخ محمد منتصر (مراکش)، علی حسیب، کامل السید (سوڈان)، پروفیسر ڈاکٹر اسحاق موسیٰ الحسینی (فلسطین)، ڈاکٹر فاضل الجمال، ڈاکٹر عبدالستار فوزی، ڈاکٹر مصطفیٰ جواد (عراق)، فواد کیرولا، محمد فواد سیزگن (ترکی)، پروفیسر ولفریڈ کینٹ ویل سمتھ (کینیڈا)، الیگزنڈر بوسانی (اٹلی)، روڈی پیرٹ، برتھولڈ سپولر (جرمنی)، پروفیسر لوئی مائی سینون (فرانس)، یٰسین ہداونزدی محمد علی چنگ چی (چین)، ڈاکٹر جی ڈبلیو جے ڈروبر، ڈاکٹر جوزف شاخت (ہالینڈ)، الحاج عبدالغفار مزکی (فلپائن)، ایملو گارشیا گومز (سپین)، جی۔ ای وان، گرون باہم، رچرڈ ٹنکسین، گارلینڈ ہاپکنز، رچرڈ نیلسن فرائی (امریکہ)، مس این۔ کے۔ ایس لیٹمسن اور برنارڈ لیوس (برطانیہ) کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ جبکہ ہمسایہ ملک بھارت سے مولانا عبدالماجد دریا بادی، ڈاکٹر میر ولی الدین اور ڈاکٹر زبیر صدیقی شریک ہوئے۔ میزبان ملک پاکستان سے ڈاکٹر اے ایچ ضیائی، ڈاکٹر فضل الرحمٰن، علامہ رشید

ترابی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، ڈاکٹر عمر آصف اسلام، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، علامہ علاء الدین صدیقی، پروفیسر قاضی محمد اسلم اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے اسلامی ثقافت کے مختلف پہلوؤں پر اپنے مقالات پڑھے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے مقالے کا عنوان تھا:

"The Potential Contribution of Islam to the world Peace"

جو بین الاقوامی مذاکرے کی آخری نشست میں پڑھا گیا جس کا ماحصل یہ تھا کہ امن عالم کے قیام میں اسلام کا کردار اس لحاظ سے نہایت اہم ہے کہ اسلامی تعلیمات کی حقانیت اور صداقت کی بدولت ہی نسل انسانی کو ایک وحدت میں پرویا جا سکتا ہے جو مستقل اور پائیدار امن کی ضمانت ہے۔

اقبال چیئر کے قیام کی تجویز:

ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے ڈائریکٹر اقبال اکادمی پاکستان' کراچی کی حیثیت سے 1962ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور میں ''اقبال چیئر'' قائم کرنے کی تجویز پیش کی اور اس سلسلے میں وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کے ساتھ ہونے والی اپنی خط و کتابت میں اس مسئلے کے دیگر اہم پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی۔ اقبال اکادمی کو درپیش بعض مالی دشواریوں کے سبب اس چیئر کو وہاں قائم نہ کرنے کی وضاحت بھی کی اور ساتھ ہی اس صائب رائے کا اظہار بھی کیا کہ اقبال کا شہر لاہور اور پنجاب یونیورسٹی کے ساتھ جو گہرا تعلق رہا تھا' اس کے پیش نظر' جامعہ پنجاب ہی اقبال چیئر کے لئے موزوں ترین درسگاہ ہو سکتی تھی۔ اُنھوں نے یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ ابتدائی طور پر ''اقبال چیئر'' کو تجرباتی بنیاد پر قائم کر کے کسی موزوں ترین اقبال سکالر کو اس منصب پر فائز کر دیا جائے اور اس چیئر کی کامیابی کی صورت میں دیگر اُمور بعد میں طے کر لئے جائیں۔

یہ درست ہے کہ 1962ء میں ڈاکٹر رفیع الدین نے اقبال چیئر کے قیام کی جو تجویز پیش کی تھی اُس پر ان کی زندگی میں تو عملدرآمد نہ ہو سکا البتہ اس سلسلے میں اُنھوں نے اقبال کے ایک سچے اور پرجوش عقیدت مند کی حیثیت سے جو سعی کی اور ان کا جو خواب جشن اقبال صدی کے موقع پر 1977ء میں جامعہ پنجاب میں اقبال چیئر کے قیام کی صورت میں پورا ہوا' اُس کے لئے

ڈاکٹر محمد رفیع الدین داد کے مستحق ضرور ہیں۔

ریٹائرمنٹ:

ڈاکٹر محمد رفیع الدین اپنی مدت ملازمت پوری کرنے کے بعد 10/اپریل 1965ء کو ڈائریکٹر اقبال اکادمی پاکستان' کراچی کی حیثیت سے ریٹائر ہو گئے۔ اگر چہ ڈاکٹر صاحب کو خالصتاً تین سالہ کنٹریکٹ کی بنیاد پر اس عہدے کے لئے منتخب کیا گیا تھا لیکن آپ کی عمدہ کارکردگی کی بدولت مسلسل چار بار آپ کے کنٹریکٹ میں توسیع (Extension) کی جاتی گئی اور آپ بارہ برس تک اس منصب پر فائز رہے۔

اقبال اکادمی پاکستان کے پہلے ڈائریکٹر کے طور پر آپ نے اس کو ایک فعال علمی ادارہ بنانے کے لئے جو کوششیں سرانجام دیں ان کا ہمیشہ اعتراف کیا جاتا رہے گا۔

آپ کے بعد پروفیسر احمد ڈار، ڈاکٹر عبدالرب، ڈاکٹر معزالدین، ڈاکٹر وحید قریشی، پروفیسر منور (آخرالذکر دونوں حضرات دو دو بار ناظم کے عہدے پر فائز رہے) اور پروفیسر شہرت بخاری نے ادارے کی نظامت کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔

آپ کا شمار ادارۂ ثقافت اسلامیہ کے بانی واراکین میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کے بطور ڈائریکٹر تقرر کے بعد ڈاکٹر رفیع الدین ادارے میں بطور ریسرچ آفیسر مقرر ہوئے۔ اقبال اکادمی سے ریٹائر ہونے کے بعد آپ مستقل طور پر لاہور منتقل ہو گئے۔ پروفیسر ایم۔ایم شریف کی وفات کے بعد ڈائریکٹر ادارۂ ثقافت اسلامیہ کی جگہ خالی ہوگئی تو آپ نے اس عہدے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں جنھیں بوجوہ قبول نہ کیا گیا۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے اکتوبر 1965ء کی ''شام ہمدرد'' لاہور میں اپنا مقالہ ''اسلام اور سائنس'' پڑھا۔

آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس کا قیام:

اُصول تعلیم اور بالخصوص اسلامی تعلیم ہمیشہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی تحقیق و تجسس کے اہم موضوعات رہے۔ اس ضمن میں اُن کی سب سے اہم کاوش "First Priciples of

"Education" ہے جس کا تفصیلی تجزیہ آئندہ ابواب میں پیش کیا جائے گا۔ اقبال اکادمی پاکستان سے ریٹائرمنٹ کے بعد انھوں نے خود کو مکمل طور پر تعلیمی مقاصد کے لئے وقف کر دیا۔ ’’آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس‘‘ کے قیام کو انہی مقاصد کے حصول کا ذریعہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

’’جب میں نے اسلامی فلسفہ تعلیم پر اپنا ڈی لٹ کا تھیسس مکمل کیا تھا تو میرا خیال تھا کہ میں نے کچھ تجاویز پیش کی ہیں جن پر ضرور عمل ہوگا لیکن میں نے دیکھا کہ ہماری قوم مغرب کی تقلید میں اتنی آگے نکل گئی ہے کہ اپنے آپ کو اس قدر فراموش کر چکی ہے کہ فقط کتابیں بتانے سے کہ اسلام کے مقاصد کس قسم کے نظام تعلیم کا تقاضا کرتے ہیں یا یہ کہنے سے کہ خالق عالم رخدا کا تصور اور سائنس آپس میں لازم وملزوم ہیں، کسی کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی لہٰذا اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اسلامی نظام تعلیم کا ایک نمونہ عملاً پیش کر کے بتایا جائے کہ اسلامی نظام تعلیم یہ ہوتا ہے اور سائنس کی کتابوں کو نئے سرے سے لکھ کر اور پڑھا کر ثابت کیا جائے اور آنکھوں سے دکھایا جائے کہ اگر خدا کا عقیدہ سائنس کے اندر اپنے مقام پر آ جائے تو سائنس بگڑتی نہیں بلکہ سنورتی اور ترقی کرتی ہے۔‘‘

ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے اپنے چند ہم خیال رفقا کے ساتھ مؤرخہ 7 راگست 1966ء کو سیالکوٹ میں منعقد ہونے والے ایک اجلاس میں اسلامک ایجوکیشن کانگریس کی بنیاد رکھی۔ ڈاکٹر صاحب اور مولوی حبیب اللہ اس اجلاس میں شریک تھے، جس میں متفقہ طور پر پروفیسر نصیر الدین کو صدر اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین کو ڈائریکٹر (اکیڈمک اینڈ ایڈمنسٹریٹو) کے طور پر منتخب کیا گیا۔

کانگریس کے ایک خصوصی اجلاس منعقدہ 23 دسمبر 1966ء کو ایک قرارداد کے ذریعے اسلامک ایجوکیشن کانگریس کو ’’آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس‘‘ کا نام دے دیا گیا جو آج تک برقرار چلا آ رہا ہے۔

’’آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس‘‘ کے قیام کا بنیادی مقصد علومِ جدید کی اسلامی تشکیل تھا، جس کی رُو سے یونیورسٹی کی سطح تک کے نصاب کو از سرِ نو اس طرح سے مرتب

کرنے کی ضرورت تھی کہ تصور توحید اس کا مرکز ومحور قرار پائے۔ ڈاکٹر رفیع الدین نے مولانا ابوالحسن علی ندوی کے نام ایک طویل خط میں اپنے قائم کردہ ادارے کے بارے میں تفصیلات بیان کی ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ جب تک خدا کا عقیدہ جیسا کہ قرآن حکیم نے اسے پیش کیا ہے عالم اسلام کی جدید یونیورسٹیوں کی تعلیم کی روح رواں نہ بن جائے اس وقت تک امتِ مسلمہ نہ اپنے آپ کو پا سکتی ہے اور نہ ہی دنیا میں خدا کے عقیدے کی بنا پر امن واتحاد برپا کرنے کا عظیم الشان رول ادا کر سکتی ہے۔ چنانچہ کچھ مخلص اور ذی حیثیت رفقا کے ساتھ مل کر All Pakistan Islamic Education Congress قائم کی گئی ہے جس کے منظور شدہ دستور کے مطابق یہ ادارہ دو مرحلوں میں اپنا کام سرانجام دے گا۔ پہلے مرحلے میں تمام سائنسی علوم میں انٹرمیڈیٹ اور ڈگری کے امتحانات کی نصابی کتابیں اس طرح سے مرتب کرے گا کہ خدا کا تصور ان کے مواد کا مرکزی خیال یا تنظیمی اصول بن جائے گا اور دوسرے مرحلے میں ان نصابات کی تدریس کے اہتمام کے لیے ایک یونیورسٹی بنائی جائے گی جس کا تعلیمی ماحول نصابی روح سے ہم آہنگ ہوگا۔

کانگریس کے مقاصد کے حصول کے لیے ڈاکٹر رفیع الدین کے ذہن میں "The Holy Quran University of Scinses" کا ایک خاکہ بھی تھا جس پر وہ مسلسل غور وفکر کرتے رہے۔

کانگریس کے پہلے چھ اجلاس سیالکوٹ ہی میں صوفی محمد اشرف کی رہائش گاہ پر منعقد ہوئے البتہ ساتواں اجلاس مؤرخہ 5 دسمبر 1966ء کو ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی رہائش گاہ واقع چوبرجی پارک لاہور میں منعقد ہوا جس کے بعد سے لاہور، کانگریس کا مستقل مرکز بن گیا۔

دسمبر 1966ء کے اجلاس ہی میں ملک خدا بخش بچہ کو جو کہ اس وقت حکومت مغربی پاکستان میں وزیر تعلیم کے منصب پر فائز تھے آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس کا صدر منتخب کر لیا گیا۔

ملک خدا بخش بچہ، ڈاکٹر صاحب کی اعلیٰ صلاحیتوں کے معترف تھے اور جانتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب جن نظریات کا پرچار کرتے ہیں وہ محض کتابی نہیں بلکہ وہ ان کو عملی جامہ پہنانے کی صلاحیت سے بھی بہرہ ور ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''اُنہوں نے (ڈاکٹر رفیع الدین نے) آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس کی داغ بیل ڈالی۔ میرے بارے میں ان کا جو حسن ظن تھا اس کی وجہ سے اُنہوں نے مجھے اس کانگریس کی صدارت کی پیشکش کی اور آخر ان کے خلوص، محبت اور جذبۂ فکر وعمل نے مجھے یہ پیشکش قبول کرنے پر مجبور کردیا۔''

کانگریس کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے اُنہوں نے لکھا:

''کانگریس کے پروگرام میں اعلیٰ سطح پر ایک یونیورسٹی "The Holy Quran University of Sciences" کا قیام عمل میں لانا تھا جہاں سائنس کے طالب علموں کو اس حقیقت سے روشناس کرایا جاسکے کہ کائنات میں جو وحدت تنظیم، سلیقہ، حسن ہم آہنگی اور نظم ونسق پایا جاتا ہے وہ محض حادثاتی طور پر نہیں بلکہ یہ سب ربّ العزت کے تخلیقی فعل کے شواہد ہیں اور ان کا مقصد کائنات کی ہر شے اور بحیثیت کلی تمام کائنات کی بتدریج تکمیل و ربوبیت ہے۔

کئی سالوں تک کانگریس کے اجلاس ملک خدابخش بچہ صاحب کی رہائش گاہ پر منعقد ہوتے رہے۔ آخر کار چوہدری مظفرحسین نے 7۔ فرینڈز کالونی ملتان روڈ لاہور پر واقع اپنی وسیع و عریض رہائش گاہ کا ایک حصہ آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس کے دفتر اور لائبریری کے لئے وقف کردیا۔

1968ء کے آغاز میں آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس نے ادارے کا ترجمان علمی مجلّہ دوماہی "Islamic Education" (اُردو۔انگریزی) جاری کیا جس کے پہلے مدیر خود ڈاکٹر محمد رفیع الدین تھے۔ اُنہوں نے خود بھی اس مجلّے کے لئے مقالات لکھے اور دیگر اہل قلم دانشوروں کو بھی اس کے دائرے میں شامل کیا۔ بعد میں 1972ء تک ''اسلامی تعلیم'' اُردو مجلّے کے طور پر علیحدہ شائع ہوا جس کے ہر شمارے میں یہ وضاحت بھی شائع ہوتی رہی کہ کانگریس کے تمام تحقیقی، تصنیفی اور انتظامی کام کو منظّم کرنے کے لئے دو دوماہی جریدے ''اسلامی تعلیم'' اُردو زبان میں اور ''اسلامک ایجوکیشن'' انگریزی زبان میں شائع کیے جاتے ہیں' ان میں ایسے بلند پایہ معیاری اور تحقیقی مضامین پیش کیے جاتے ہیں جن کا تعلق طبیعیات، کیمیا، فلکیات، ارضیات،

حجریات، حیاتیات، نباتیات، انفرادی نفسیات، اجتماعی نفسیات، فلسفۂ تعلیم، فلسفۂ معاشیات، فلسفۂ قانون اور فلسفۂ تاریخ وغیرہ سے ہو۔ مضامین و مقالات کا مرکزی نکتہ یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ آفاق و انفس میں جو حیرت انگیز نظم وضبط اور مقصدیت پائی جاتی ہے اس کا سرچشمہ خدا کی قوت وحکمت اور تدبر وربوبیت ہے۔

دوماہی ''اسلامی تعلیم'' اور ''اسلامک ایجوکیشن'' جناب اے۔کے بروہی، سید ظفر الحسن، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، عبدالحمید کمالی، منظور احمد عباسی، ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، حافظ عباداللہ فاروقی، ڈاکٹر سید عبداللہ، پروفیسر خالد علوی، ڈاکٹر محمد ریاض، ڈاکٹر رحیم بخش شاہین' افضال حسین قادری، پروفیسر محمد منور، کلیم صدیقی، مظفر حسین، ڈاکٹر ابصار احمد اور دوسرے نامور دانشوروں کی علمی وتحقیقی تحریروں سے مزین ہوتے رہے۔

کانگریس کے زیر اہتمام ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے انگریزی مضامین کا ایک مجموعہ "Facts of Islamic world view"، ''قرآن اور علم جدید'' اور ''حکمت اقبال'' دوسرا ایڈیشن (بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے اشتراک سے) شائع ہوئیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، سید اللہ بخش، ڈاکٹر رحیم بخش شاہین، ڈاکٹر محمد ریاض، مظفر حسین اور محمد اکرم خان کی تصانیف شامل ہیں۔

آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس نے اپنے اغراض و مقاصد سے ہم آہنگ متعدد قومی اور بین الاقوامی اداروں سے قریبی روابط بھی قائم کیے جن میں انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز اسلام آباد، مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور، اسلامک فاؤنڈیشن برائے سائنسی وتکنیکی ترقی جدہ، اسلامی سائنسی' تعلیمی اور ثقافتی ادارہ رباط (مراکش)، انسٹیٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ' واشنگٹن (امریکہ) اور اسلامک فاؤنڈیشن' برطانیہ شامل ہیں۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے ''اسلامی تعلیم'' اور ''اسلامک ایجوکیشن'' کے علاوہ ''حکمت قرآن'' کے نام سے ایک اور ماہنامہ کانگریس کی طرف سے شائع کرنے کے لئے ڈکلریشن حاصل کیا تھا لیکن ان کی وفات کے بعد اس کے چند شمارے ہی شائع ہو سکے اور بعد میں ڈاکٹر اسرار احمد کی درخواست پر ''حکمت قرآن'' انجمن خدام القرآن' لاہور کی جانب سے باقاعدہ شائع ہونے لگا

اوراس کی اشاعت آج تک جاری ہے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی حادثاتی موت:

ڈاکٹر رفیع الدین کے رفقا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی اپنی عمر اور صحت سے بے نیاز ہوکر اپنے علمی منصوبوں کی تکمیل کے لئے شب و روز منہمک رہے۔

اپنی وفات سے چند ماہ پیشتر وہ اپنی آخری تصنیف ''حکمت اقبال'' مکمل کر چکے تھے لیکن اس کی اشاعت کے بعد بھی اس کے اگلے ایڈیشن میں چند مزید ابواب کا اضافہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اس ضمن میں اُنہوں نے چوہدری مظفر حسین کو کچھ ہدایات بھی دی تھیں جن کا تذکرہ آگے آئے گا لیکن وہ ساتھ ہی اپنی عجیب کیفیت اپنے اہل خانہ اور اپنے بعض قریبی دوستوں سے بیان کرتے ہوئے کہتے تھے:

''اب مجھے Inspiration بالکل نہیں ہوتا' شاید دنیا میں میرا کام مکمل ہو چکا ہے''

26/نومبر 1969ء لاہور میں اُن کا آخری دن تھا۔ مظفر حسین کی علالت کا سن کر فوراً ان کی عیادت کے لئے پہنچے۔ دیر تک اُن کے پاس بیٹھے گفتگو کرتے رہے۔ مظفر حسین ڈاکٹر صاحب کے ساتھ اپنی اس آخری ملاقات کا احوال بیان کرتے ہیں:

''اس ملاقات میں آپ نے مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اپنی کتاب ''حکمت اقبال'' کے دوسرے ایڈیشن میں ایک اور باب بعنوان ''خودی اور موت'' کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں' اس لئے میں ان کی واپسی تک موت کے موضوع پر علامہ اقبال کے تمام اشعار جمع کر رکھوں۔''

مظفر حسین کا کہنا ہے کہ علامہ اقبال کے درج ذیل اشعار بار بار پڑھتے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے تھے کہ اشعار کس قدر پرسوز اور درد انگیز ہیں:

ے خود تجلی کو تمنا جن کے نظاروں کی تھی
وہ نگاہیں نااُمید نور ایمن ہوگئیں

ے یہ راز ہم سے چھپایا ہے میر واعظ نے
کہ خود حرم ہے چراغِ حرم کا پروانہ

ڈاکٹر صاحب' کراچی میں مقیم اپنے صاحبزادے عبدالسلام کی خوش دامن کی وفات پر تعزیت کے لئے مؤرخہ 27 رنومبر 1969ء کو بذریعہ ٹرین کراچی کے لئے روانہ ہوئے۔ 28 رنومبر 1969ء کو ان کے صاحبزادے صلاح الدین محمود ان کو لینے کے لئے ریلوے اسٹیشن پر موجود تھے۔ یہ رات اُنھوں نے اپنے بیٹے محمود ہی کے ہاں گزاری، اگلے روز مورخہ 29 رنومبر کو وہ تعزیت سے فارغ ہوکر دوپہر کو اپنی صاحبزادی کے ہاں جانے کے لئے رکشہ میں سوار ہوئے۔ لارنس روڈ پر سامنے سے آنے والی ایک تیز رفتار بس رکشہ کے ساتھ ٹکرائی۔ اس خوفناک تصادم میں ڈاکٹر صاحب موقع ہی پر جاں بحق ہو گئے۔ اِنا للہ وانا الیہ راجعون۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے اس سانحہ ارتحال پر اپنے شذرۂ تعزیت میں لکھا:

''ڈاکٹر صاحب کا انتقال لارنس روڈ کراچی میں ایک حادثے میں ہوا۔ ڈاکٹر صاحب جس رکشے میں سوار تھے اُسے ایک بس نے روند ڈالا۔ نتیجتاً ڈاکٹر صاحب بھی بری طرح کچلے گئے۔ حتیٰ کہ ان کا مغز تک سڑک پر بکھر کر رہ گیا۔''

ڈاکٹر صاحب کی جیب میں موجودہ کچھ کاغذات کی مدد سے ان کی شناخت ممکن ہو سکی۔ سہ پہر کو تھانہ نیوٹاؤن سے ان کے صاحبزادے محمود کو اس حادثہ جانکاہ کی اطلاع دی گئی اور اُنھوں نے سول ہسپتال پہنچ کر ڈاکٹر صاحب کی نعش وصول کی۔ ڈاکٹر صاحب کی آنکھیں اور چہرہ حادثے میں بری طرح متاثر ہوئے تھے۔ اسی رات ڈاکٹر صاحب کا جسد خاکی پہلے بذریعہ طیارہ لاہور لایا گیا جہاں سے سڑک کے راستے ان کی میت کو سیالکوٹ لے جایا گیا۔ مورخہ 30 رنومبر 1969ء کو ان کی وصیت کے مطابق انہیں قبرستان حکیم خادم علی (سیالکوٹ) میں اُن کے والد ماجد کے پہلو میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

ڈاکٹر رفیع الدین کی وفات پر تاثرات:

لاہور میں ڈاکٹر رفیع الدین کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی جس میں علمی و ادبی شخصیات کے علاوہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے احباب کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔

ڈاکٹر رفیع الدین کے ایک قریبی ساتھی اور معروف صحافی اکرام رانا نے لکھا:

''میں نے کئی بڑوں کے جنازے اٹھتے دیکھے ہیں مگر جس قدر اہل دل اور اہل قلم

ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کی غائبانہ نماز جنازہ میں شریک ہوئے اوران سے جس قدر محبت کا اظہار کیا وہ منظر دیدنی تھا۔''

اپنے تعزیتی مضمون میں وہ لکھتے ہیں:

''میں نے پروفیسر حمید اللہ خاں صاحب سے پوچھا کہ آپ ڈاکٹر صاحب کے بارے میں ان کی کوئی نمایاں خصوصیت بتائیں۔ وہ بولے کہ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ سچے اور مخلص مسلمان تھے۔''

روزنامہ "THE PAKISTAN TIMES" لاہور' روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور' روزنامہ ''ندائے ملت'' لاہور سہ ماہی مجلّہ "AL-AHIBBA" (انگریزی/عربی) لاہور' ''اقبال ریویو'' کراچی اور ہفت روزہ ''زندگی'' لاہور نے ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی المناک موت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اسے علمی دنیا کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان قرار دیا اور ڈاکٹر مرحوم کی علمی و تحقیقی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں شاندار الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا۔

ملک خدا بخش بچہ کا شمار ڈاکٹر مرحوم کے انتہائی قریبی رفقا میں ہوتا تھا۔ اُنہوں نے اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

''ڈاکٹر رفیع الدین کی اندوہناک موت سے علمی دنیا میں ایک خلا پیدا ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب ایک نہایت محنتی' انتھک اور ٹھوس کام کرنے والے درویش صفت انسان تھے۔ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اسلام اور ملت اسلامیہ پاکستان کی محبت کی ایک شمع روشن کر رکھی تھی جس کا شعلہ یقیں زندگی بھر ضوبار رہا۔

ضروری نوٹ: اس مضمون کے ساتھ محترم ڈاکٹر شفیق عجمی صاحب نے حواشی/مصادر کی طویل فہرست دی ہے۔ ہم یہاں طوالت کی وجہ سے یہ حصہ درج نہیں کر رہے کہ عام آدمی کی دلچسپی کا نہیں ہے۔ جو حضرات تحقیق اور جستجو کے لیے ان مصادر تک رسائی چاہتے ہوں وہ سہ ماہی مجلّہ 'اقبال' لاہور شمارہ 1 تا 4 جلد 56 ملاحظہ فرمالیں یا ایک خط لکھ کر حکمت بالغہ کے دفتر سے اس کی فوٹو کاپی حاصل فرمالیں۔ (ادارہ)

مدیر کے نام

1۔ مرزا ایوب بیگ قرآن اکیڈمی لاہور

حکمتِ بالغہ کے ماہِ مارچ کے شمارے میں حرفِ آرزو نگاہ سے گزرا۔ آپ نے مغربی خصوصاً امریکی معاشرے کی تباہی کا ذکر جس طرح اپنے مضبوط دلائل اور دیگر حوالوں سے کیا ہے وہ یقیناً قابل صد ستائش ہے۔ امریکی معاشرہ یقیناً تباہی کے گڑھے میں گراہی چاہتا ہے۔ وہاں کا دانشور طبقہ جسے یہ تباہی صاف نظر آرہی ہے معلوم ہوتا ہے چیخ و پکار کے سوا کچھ نہیں کر سکے گا اس لیے کہ عوام کی عظیم اکثریت اردگرد کے حالات کے حوالے سے بے خبر ہی نہیں قطعی طور پر لاتعلق بھی ہے۔ ایک امریکی کو روزگار کمانے اور گرل / بوائے فرینڈ سے ملاقات کے علاوہ اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں ملکی اور بین الاقوامی معاملات کے حوالہ سے وہ چار سال بعد صرف ووٹ ڈال کر لاتعلق ہو جاتا ہے اور اس سے مزید بڑھ کر کوئی اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتا۔ راقم کی رائے میں اگر ذہین اور عیار یہودی نے میڈیا کے ذریعے امریکی ووٹر کو یرغمال نہ بنالیا ہوتا تو امریکی سیاسی قیادت سرمائے کے عوض امریکی مفادات کے یہودیوں کے پاس گروی رکھنے پر مجبور نہ ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکی قیادت امریکہ کے مفادات سے زیادہ یہودیوں اور اسرائیلی ریاست کے مفادات کی حفاظت پر مجبور ہے۔ بہرحال امریکی قیادت ملکی مفادات پر آزادانہ فیصلوں کی صلاحیت رکھتی تو ضرورت سے زیادہ اعتماد کا یہ رویہ کسی قدر قابل فہم ہوتا ہے کہ حکمران اور عوام کے مابین اعتماد اور احترام لازم ہے۔ اسلامی طرزِ حکومت میں بھی عوام خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد سمع و اطاعت کا مکمل

مظاہرہ کرنے کے پابند ہوتے ہیں اور وہ صرف اس بات پر نگاہ رکھتے ہیں کہ کسی داخلی یا خارجی معاملے میں حکومتی طرزِ عمل کہیں شریعت کی حدود سے تجاوز تو نہیں کر رہا۔ شرعی حدود میں رہنے والے حکمران کی عوام کو مکمل اور بے چون وچرا اطاعت کرنا ہوگی۔

بانی تنظیم محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی یہ خواہش تو پوری نہیں ہو سکی کہ پاکستان 40 سال بعد کوئی نئی کروٹ لے گا پستی سے بلندی کی طرف سفر کا آغاز کرے گا اور شاید اسلامی انقلاب کی طرف پیش قدمی بھی ہو سکے گی۔ اُنہیں اس حوالہ سے بہت مایوسی ہوئی تھی۔ زمینی حقائق پر نگاہ ڈالتے ہوئے اُنہیں تباہی و بربادی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔لیکن زمینی حقائق کے ماوراء انہیں یقین تھا کہ پاکستان کا معجزانہ قیام یقیناً کوئی رنگ لائے گا اور مشیتِ ایزدی سے ایسے اسباب پیدا ہوں گے کہ پاکستان گرتا پڑتا ٹھوکریں کھاتا بالآخر صراطِ مستقیم پر گامزن ہوگا اور وہ اس ہدف کو حاصل کرلے گا جس کے لیے یہ دنیا کے نقشہ پر ابھرا تھا۔ آپ نے ایک چالیس سالہ دور ختم ہونے کے بعد دوسرے چالیس سال کے آغاز، دونوں ادوار کا تقابل اُن میں مماثلت اور ایک اچھے انجام کی طرف پیش رفت کا امید افزا پیغام سنایا ہے۔ یقیناً یہ ایک نئی بات ہے جو سامنے آئی ہے۔ میں آپ کی رجائیت پسندی کی تحسین کرتے ہوئے دعا گو ہوں کہ آپ کی اُمیدیں بر آئیں۔ آخر میں آپ نے جو اپنے اٹھنے میں دیر کرنے کی اور جذبوں کی کمی کا ذکر کیا ہے تو فاروقی صاحب مسئلہ کی جڑ یہی ہے اصل ذمہ دار ہم خود ہیں۔ اللہ اُن ہی کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ شاہراہ عزیمت کے مسافروں کی اللہ یقیناً مدد کرتا ہے۔ ہم ہی غفلت اور سستی میں پڑے ہیں ورنہ رحمت خداوندی تو بے قرار ہے۔

2۔ لطف الرحمٰن۔ البلاغ فاؤنڈیشن لاہور

حکمت بالغہ کے نظریاتی نظام تعلیم نمبر کے لیے جتنی محنت اور عرق ریزی سے تاریخی حقائق کو اکٹھا کر کے انہیں حسن ترتیب سے مزین کیا گیا ہے' آپ کو اور آپ کی ٹیم کو اس کا اجر تو بس اللہ ہی دے گا، کسی بندے کا بس نہیں کہ وہ اس کا حق ادا کر سکے۔ خاص طور سے KHAJURAHO TEMPLES اور تاج محل کا موازنہ پڑھ کر بے ساختہ دل سے دعا نکلی کہ

اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کی حکمت بالغہ کو مزید فروغ عطا فرمائے۔ یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ دوقومی نظریہ نہ تو مولویوں کی من گھڑت خرافات ہیں اور نہ ہی یہ علامہ اقبال اور قائداعظم کا ایجاد کردہ کوئی فلسفہ ہے بلکہ اس کا ثبوت تو صدیوں سے ہندوستان کے چپہ چپہ پر کندہ ہے۔کسی آنکھ کے اندھے کے اس دعوے سے کہ سورج کا کوئی وجود نہیں ہے' سورج غائب نہیں ہو جاتا۔

اس موازنہ نے میرا ذہن گزشتہ اگست کے اس واقعہ کی طرف منتقل کر دیا جس میں ایک صاحب نے چیلنج کیا کہ دوقومی نظریہ قرآن سے ثابت نہیں کیا جا سکتا اور یہ اس حقیقت کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ یہ نظریہ مولویوں کی خرافات کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ میں نے ان کو بتایا کہ قرآن کے مطابق دوقومی نظریہ اس وقت وجود میں آیا جب لوگوں نے آپس میں اختلاف کرنا شروع کیا تو لوگوں کو سیدھی راہ بتانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام بھیجے (البقرۃ۔213) پھر سورۃ تغابن کی آیت 2 میں اس حقیقت کا دوٹوک اعلان کر دیا کہ تم میں سے کوئی انکار کرنے والا ہے، کوئی ماننے والا ہے۔ انکار کرنے یا ماننے کی وجہ سے دونوں گروہوں کی لائف سٹائل میں جو عظیم فرق واقع ہوتا ہے اس کی جڑ (بنیاد) کی طرف سورۂ زمر کی آیت 29 میں ایک مثال دے کر اشارہ کر دیا کہ ایک شخص ہے جس کے کئی ایسے آقا ہیں جو باہم ایک دوسرے کی مخالفت کرنے والے ہیں اور ایک شخص ہے جو کل وقتی صرف ایک آقا کا غلام ہے، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ شرک اور توحید کے فرق سے انسان کی زندگی میں واقع ہونے والے فرق کے اتنے بڑے اور وسیع مضمون کو اتنے مختصر الفاظ میں اتنے مؤثر پیرائے میں سمجھا دیا ہے۔ دوقومی نظریہ کی شاخیں جس جڑ سے پھوٹتی ہیں اسے سمجھانے کے ساتھ ساتھ قرآن ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ اس دنیا میں ان شاخوں پر پھل کیسے آتے ہیں اور ان کے آخرت کے انجام سے تو خیر قرآن مجید بھرا پڑا ہے۔ اس دنیا میں مؤمن اور کافر' دونوں میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ مال و اولاد کم دیتا ہے کسی کو زیادہ دیتا ہے اور کسی کو بہت زیادہ دیتا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف آخرت میں ہی نہیں بلکہ اس دنیا میں بھی زندگی کے حقیقی عیش و آرام کا تعلق مال و اولاد کی کمی یا زیادتی سے نہیں ہے بلکہ شرک یا توحید کی وجہ سے لائف اسٹائل میں پڑنے والے فرق سے ہے۔ سورۂ توبہ کی آیت 55 میں ہے کہ کسی کافر کو اللہ تعالیٰ جب مال و اسباب دیتا ہے تو اس کا ارادہ ہوتا ہے کہ اسی مال و اسباب کے

ذریعہ وہ اس کو اس دنیا کی زندگی میں بھی عذاب دے۔اور سورۃ النحل کی آیت 97 میں ہے کہ عمل صالح کرنے والے مؤمن کو اللہ تعالیٰ پاکیزہ زندگی بسر کرائے گا۔ یہ سب کچھ سن کر موصوف نے فرمایا کہ اس سے بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک کتابی نظریہ ہے لیکن اس تھیوری کی کوئی عملی افادیت نہیں ہے۔ زندگی میں جس فرق کی تم بات کر رہے ہو وہ سب تصوراتی باتیں ہیں، زمینی حقائق ان کی تصدیق نہیں کر رہے ہیں۔

آپ کے نظریاتی نظام تعلیم نمبر میں 'ہندو مسلم تہذیب' کے ذیلی عنوان کے تحت دی گئی تحریر نے مجھے بہت قیمتی حقائق فراہم کر دیے چنانچہ میں نے موصوف کو فون کر کے بتایا کہ قرآن کے دوقومی نظریے کی عملی تعبیر نہ صرف ہندوستان میں بلکہ اس کرۂ ارض کے خطے خطے پر کندہ اور تاریخ کے ورق ورق پر ثبت ہے۔ آؤ اور ذرا ان زمینی حقائق کو بھی دیکھ لو۔لیکن وہ اس پر آمادہ نہیں ہوئے۔ دراصل ایسے لوگ صرف وہی دیکھتے ہیں جو وہ دیکھنا چاہتے ہیں یہ وہ کیفیت ہے جس کو قرآن مجید میں علی ابصارھم غشاوۃ کہا گیا ہے۔

پاکستان میں اسلام اور اسلامی اقدار کے تحفظ کے لیے ہمارا سب سے مؤثر اور شاید آخری ہتھیار نظریاتی نظام تعلیم ہی ہے۔ ترکی کی زندہ مثال ہمارے سامنے ہے، اتاترک اور اس کی فوج کے تمام تر جبر و استبداد کے مقابلے میں انھوں نے اسلام کی حفاظت اپنے نظریاتی نظام تعلیم سے ہی کی ہے، ہمیں ان کے تجربات اور بالخصوص ان کی حکمت عملی سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان میں نظریاتی تعلیم فراہم کرنے والے اداروں کا کوئی مشترکہ پلیٹ فارم یا فورم ہو جہاں وہ ایک دوسرے کے مسائل سے آگاہی حاصل کریں، ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ کریں اور باہمی تعاون کی راہ ہموار ہو سکے۔ اسی فورم کے تحت ایک وفد کو ترکی کا دورہ کرنا چاہیے تاکہ واپس آکر وہ فورم سے منسلک اداروں کو ترکی کے مسلمانوں کی حکمت عملی کے متعلق معتبر اور ٹھوس رہنمائی فراہم کریں اور ان کے تجربات کے نچوڑ کو CIRCULATE کریں۔ فکری اور علمی سطح پر کافی کام ہو چکا ہے گو کہ اس کام کو آئندہ بھی جاری رہنا چاہیے لیکن اس وقت عملی اقدامات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

3۔ ضمیر اختر خان

ماہ دسمبر کا حکمت بالغہ کا خصوصی شمارہ پڑھا۔آپ کی محنت پہ رشک آیا۔ایک نظریاتی ملک کا نظام تعلیم اول دن سے ہی نظریاتی ہونا چاہیے تھا لیکن قوم کی بدقسمتی کہ ایسا نہ ہوسکا۔اللہ آپ کو جزائے خیر دے آپ نے الدین النصیحة کا حق ادا کردیا۔

اکیسویں صدی کا پہلا عشرہ مکمل ہوا،مملکت خداداد پاکستان کو وجود میں آئے 63سال بیت چکے مگر نظریاتی بنیادوں پر قائم ہونے والے ملک میں تاحال نظریاتی نظام تعلیم جاری نہ ہونے کی وجہ سے نظریہ پاکستان سے تغافل برتا گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نوجوان نسل کو معلوم ہی نہیں کہ نظریہ پاکستان کس چیز کا نام ہے۔حکمت بالغہ کے دسمبر 2010ء کے خصوصی شمارہ کی حیثیت 'فرض کفایہ'ادا کرنے کی ہے۔اللہ تعالیٰ اس سعی کو مشکور فرمائیں اور یہ کاوش نظریاتی ملک پاکستان کے لئے نظریاتی تعلیم کے حوالے سے سنگ میل ثابت ہو۔فرد ہو یا قوم نظریاتی تشخص ہی اس کی پہچان ہوتا ہے۔جس فرد یا قوم کی کوئی پہچان ہی نہ ہو تو اس کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہوتا ہے۔جس طرح پاکستان کی وجہ جواز اس کا نظریہ ہے،بالکل اسی طرح اس کی بقاء واستحکام بھی نظریہ کے ساتھ وابستہ ہے۔''دیر آید درست آید'' کے مصداق حکمت بالغہ کا خصوصی شمارہ ایک انتہائی مفید دستاویز ہے جس سے ارباب حل وعقد استفادہ کر کے اب تک کی کوتاہی کا ازالہ کر سکتے ہیں۔اگرچہ ہمیں اس ضمن میں کوئی خوش فہمی نہیں ہے کہ اس ملک کے کرتا دھرتا اس نیک کام کی طرف کوئی پیش رفت کریں گے مگر ہم نے تو ان سے یہی گزارش کرنی ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کا احساس کریں اور اس ملک کے ساتھ وفاداری کا عہد نبھائیں جو عہدوں اور مناصب پر فائز ہوتے وقت وہ اللہ کے سامنے اور اپنی عوام سے کرتے ہیں۔اس وقت میرے سامنے قومی تعلیمی پالیسی (1998ء۔2010ء) کے وہ مقاصد ہیں جو ہمارے حکمرانوں نے طے کیے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے:

The aim of our national educational policy (1998-2010)
is to enable the citizens to become true Muslims.

ہماری قومی تعلیمی پالیسی کا مقصد یہ ہے کہ شہریوں کو سچے مسلمان بننے کے قابل بنایا جائے۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک سیکولر نظام تعلیم کے ذریعے کیا سچے مسلمان پیدا ہو سکتے ہیں؟اگر ایسا ممکن ہوتا تو اللہ تعالیٰ کو انبیاء ورسل علیہم السلام بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی۔اللہ کو خوب معلوم ہے کہ انسان اُس کی

ہدایت کے بغیر سچے مسلمان نہیں بن سکتے۔اسی لیے اپنے آخری نبی ﷺ کو مکمل ضابطۂ حیات دے کر بھیجا جس کو اپنا کر ہی ہم دنیا وآخرت کی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔لہٰذا ابلاتاخیر نظریاتی تعلیم کا اہتمام کر کے نظریہ پاکستان کی آبیاری کا اہتمام کیا جائے تاکہ قومی وملی تشخص بحال ہو اور جن مقاصد کے لئے پاکستان قائم ہوا تھا ان کے حصول میں آسانی پیدا ہو سکے۔خوش قسمتی سے مجوز و مبشر و مصور پاکستان علامہ محمد اقبال اور بانی و معمار پاکستان قائداعظم محمد علی جناح میں نظریہ پاکستان کے حوالے سے ہم آہنگی و یکسوئی پائی جاتی ہے۔ہر دو کی سوچ و فکر کا محور و مرکز نظریہ اسلام ہے جس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہی تو پاکستان قائم کرنے کی جدوجہد کی گئی تھی۔

آپ کے علم میں ہوگا کہ محترم شجاع الدین شیخ صاحب اور ان کے ساتھیوں نے حال ہی میں کراچی کے کوئی بیس سے زائد نجی سکولوں میں تیسری جماعت سے آٹھویں جماعت تک قرآن مجید ترجمہ اور مختصر تشریح کے ساتھ پڑھانے کا اہتمام کیا ہے۔انہوں نے بڑی محنت سے پورے قرآن پر مشتمل نصاب ترتیب دیا ہے۔اگر حکومتی سطح پر سرکاری سکولوں میں اسی طرح کا انتظام کر دیا جائے تو یہ نظریاتی تعلیم کی سمت مثبت پیش رفت ہوگی۔اس ضمن میں ارباب اقتدار سے براہ راست بات چیت کی جائے تو اتمام حجت ہو جائے گی۔

ایک عظیم مسنون دعا

اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ تَسْمَعُ كَلَامِیْ وَ تَرٰی مَكَانِیْ وَ تَعْلَمُ سِرِّیْ وَ عَلَانِیَتِیْ لَایَخْفٰی عَلَیْكَ شَیْءٌ مِنْ أَمْرِیْ، وَ أَنَا الْبَائِسُ الْفَقِیْرُ ، اَلْمُسْتَغِیْثُ الْمُسْتَجِیْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِہٖ أَسْأَلُكَ مَسْأَلَةَ الْمِسْكِیْنِ وَ أَبْتَهِلُ إِلَیْكَ ابْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِیْلِ ، وَ أَدْعُوْكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِیْرِ، مَنْ خَضِعَتْ لَكَ رَقَبَتُهٗ وَ فَاضَتْ لَكَ عَیْنَاهُ وَ ذَلَّ لَكَ جَسَدُهٗ وَ رَغِمَ لَكَ أَنْفُهٗ، اَللّٰھُمَّ لَاتَجْعَلْنِیْ بِدُعَائِكَ شَقِیًّا وَ كُنْ بِیْ رَءُوْفًا رَحِیْمًا یَاخَیْرَ الْمَسْئُوْلِیْنَ وَ یَاخَیْرَالْمُعْطِیْنَ

(جامع الصغیر بحوالہ طبرانی عن ابن عباس)

’’اے اللہ تو میری بات سنتا ہے اور میری جگہ کو دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے، تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی، میں مصیبت زدہ ہوں، محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناہ جو ہوں، پریشان ہوں، ہراساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں، اعتراف کرنے والا ہوں، تیرے آگے سوال کرتا ہوں جیسے بیکس سوال کرتے ہیں، تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گنہگار کمزور گڑگڑاتا ہے اور تجھ سے طلب کرتا ہوں جیسے خوف زدہ آفت رسیدہ طلب کرتا ہو اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو اور اس کے آنسو بہہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کیے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے خاک آلود کیے ہو، اے رب تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہو جا، اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر اور سب دینے والوں سے اچھے،

خوشخبری ماہنامہ الحق کا ۴۵ سالہ عظیم تحقیقی اشاریہ (انڈکس) چھپ کر منظر عام پر آ چکا ہے

عظیم تاریخی   ماہنامہ الحق   حسب ہدایات ونگرانی:

اشاریہ   دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک   حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

مرتب: جناب شاہد حنیف   ادارت: مولانا راشد الحق سمیع

ماہنامہ الحق کے ۴۵ سال میں چند تصویری جھلکیاں   شائع

ہونے والے ۴۸۸ شماروں کے   ۳۳۵۶۴

صفحات میں ۱۵۰۰ مصنّفین کے   ۹۰۰۰

مقالات ونگارشات، قرآن و   حدیث،

فقہ، سیرت و سوانح، شعروادب،   تقابل

ادیان، جدید سائنسی علوم وفنون، نئے اکتشافات پر اسلامی نقطہ نظر اور ۱۰۰۰ کے قریب کتابوں پر تبصروں و دیگر موضوعات پر سینکڑوں مقالات وکتب سے آگہی کا ۳۲۵ موضوعات پر مشتمل اشاریہ = ضخامت: ۵۵۲ صفحات

مؤتمر المصنّفین، جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، ضلع نوشہرہ 0923-630340-630076

فیکس 0923-630922

دینی جرائد کا تعارف

فہم قرآن انسٹی ٹیوٹ (ٹرسٹ) کا ترجمان

ماہنامہ فہم قرآن لاہور بانی پروفیسر عطاء الرحمٰن ثاقب شہید

مجلّہ ''فہم قرآن'' میں شرح تیسیر القرآن، تیسیر القرآن ڈکشنری اور قرآن مجید کی لغوی تشریح، قرآن مجید کا اردو اور انگریزی ترجمہ، آئینہ حدیث، بچوں کا صفحہ، خواتین کا صفحہ...... مستقل سلسلہ وار موضوعات اور اس کے علاوہ فہم قرآن کا شعور بیدار کرنے والے مضامین شائع ہوتے ہیں۔ سالانہ زرتعاون: 360 روپے

معرفت ولایت سنز، محمدی ہاؤس، 14 ایبٹ روڈ لاہور

مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوُر

25روزہ قرآن فہمی کورس کل وقتی

پھر سوئے حرم لے چل

2011ءمیں3 کورسز

مئی، جون، جولائی2011ء

جس میں ترجیحاً انٹرمیڈیٹ تعلیم کے حامل طلباء، کاروباری وملازمت پیشہ اور بے روزگار حضرات شریک ہوسکتے ہیں
تاکہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ دیگر دینی علوم سیکھ کر عملی زندگی میں باعمل مسلمان کی زندگی بسر کرسکیں۔

☆ قیام وطعام اکیڈمی کے ذمہ ہوگا۔

☆تعلیمی ٹائم ٹیبل اور قواعد وضوابط کی پابندی ضروری ہوگی

☆ خوبصورت لیکچر ہال، مسجد، لائبریری اور دیگر ضروریات ایک ہی چھت کے نیچے۔

☆پرسکون اور پاکیزہ ماحول

اہل ثروت حضرات سے عطیات کا خیر مقدم کیا جاتا ہے

ہر کلاس میں طلباء کی تعداد 30 سے زیادہ نہیں ہوگی۔

مئی، جون، جولائی 2011ء میں سے اپنی فرصت کے مطابق نام رجسٹر ڈ کرائیں۔